جلد 1 شمارہ 2 اپریل 1999ء ذوالحج 1419ھ

ماہنامہ

عالمگیر محبت،
احترام آدمیت
اور اصلاح و
فلاح انسانیت
کا علمبردار

گوجرانوالہ

آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

فلاح آدمیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

جلد 1 شمارہ 2 اپریل 1999ء ذوالحج 1419ھ

نگران و سرپرست

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

قیمت ———— -/12 روپے

سالانہ فنڈ ———— -/120 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ :Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ :Ph:0431-260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

اسلام دین فطرت ہے اور تا قیامت تمام انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے کافی ہے۔ اسلام انسان کے روحانی' اخلاقی' معاشی' سیاسی' انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں کی ہر لحاظ سے تکمیل کر سکتا ہے۔ اسلام ہی وہ دین ہے جس میں معاشرہ کے تمام طبقوں کے حقوق کا خیال کیا جاتا ہے۔ اسلامی عبادات و معاملات کی ادائیگی صرف اللہ کی خاطر کی جاتی ہیں جب کہ انکے فوائد انسانوں کو پہنچتے ہیں اور اسطرح بندے کا اللہ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

عیدالاضحیٰ پہ مسلمان جو جانوروں کی قربانی کرتے ہیں اس میں بھی یہی حکمت پوشیدہ ہے تاکہ غرباء کی امداد ہو اور اللہ سے محبت کا رشتہ مستحکم ہو۔ قربانی کا حکم تمام امتوں کے نظام عبادت میں رائج رہا ہے

ولکل امتہ جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علی رزقھم من بھیمتہ الانعام (الحج۔ 34)

ترجمہ۔ اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے تاکہ وہ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انکو عطا فرمائے ہیں"

اگر قربانی' زکواۃ' خیرات وغیرہ کی ادائیگی سے اللہ سے محبت کا تعلق قائم نہ ہو تو وہ محض دکھاوا ہے۔ قرآن کریم کے مطابق ہر مسلمان کے تمام معاملات و رسومات میں اللہ کی رضا اور خوشنودی مقدم ہونی چاہئے مطلب یہ کہ تمام عبادات و معاملات خالص اللہ کے لئے ہو جائیں۔

ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین

ترجمہ۔ "بلاشبہ میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت سب اللہ سبحانہ کے لئے ہیں"

آج کا مسلمان اللہ کی رضا کو پس پشت ڈال کر معاشرہ کے خوف سے قربانی کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے مفہوم سے بھی ناواقف ہے۔

یاد رہے کہ اسلام میں جانور کی قربانی محض علامتی حیثیت رکھتی ہے، اصل میں عید الاضحیٰ کی قربانی ہمیں اس طرز فکر پر عمل کرنے پہ زور دیتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہؓ نے اپنایا۔ یعنی اللہ کی محبت پہ تمام دنیاوی محبتوں کو قربان کر دیا جائے۔ اگر ہم جانور پہ جانور ذبح کرتے چلے جائیں مگر اللہ کی محبت اور قرب کی بجائے نفسانی خواہشات اور خود غرضانہ عادات کی تکمیل میں بڑھتے جائیں تو پھر ایسی رسم کی اللہ کو کوئی ضرورت نہیں کیونکہ

"اللہ تعالیٰ کو ان جانوروں کا گوشت اور خون ہر گز نہیں پہنچتا بلکہ اس کو تمہاری جانب سے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے" (الحج - 27)

انسان کا اللہ تعالیٰ سے براہ راست عبد و مالک کا تعلق ہے۔ اللہ کی ذات ہر شخص کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے یہ دوری انسان کی ناجائز نفسانی خواہشات نے پیدا کی ہوئی ہے جس کی وجہ سے انسان نہ تو اپنی ذات کے متعلق درست حقائق جانتا ہے اور نہ اللہ رب العزت کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی ذات (خودی) کو اجاگر کریں اور یہ صرف اور صرف اللہ کی محبت اور اتباع رسول ﷺ کی بدولت ممکن ہے۔ اسلامی عبادات کا واحد مقصد یہی ہے کہ انسان اللہ کی محبت اور پیار کو حاصل کر لے اور اپنی اہمیت و مقصدیت کو جان لے۔ آج مسلمان اسلامی عبادات کو رسومات کی شکل میں انجام تو دے رہا ہے جب کہ خود اپنی ذات سے غافل ہے اور نہیں جانتا کہ میں اس دنیا میں کس مقصد کے لئے بھیجا گیا ہوں بقول اقبال"

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں عید الاضحیٰ کی حقیقی خوشیاں سمیٹنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العلمین۔

والسلام

عبدالقیوم ہاشمی

درس قرآن

سَأُرْهِقُهُ صَعُوْدًا ۝ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ (المدثر 17 - 19)

ترجمہ۔ "میں اسے کٹھن چڑھائی چڑھنے پر مجبور کردونگا۔ اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کی۔ اس پر پھٹکار کتنی بری بات طے کی"۔

تفسیر۔ ولید بن مغیرہ مکہ کے قریش سرداروں میں سے ایک بڑا معزز اور مالدار سردار شمار ہوتا تھا۔ سرزمین مکہ سے طائف تک کے علاقہ میں اس کی زمین اور باغات پھیلے ہوئے تھے۔ مورخ لکھتا ہے کہ اس کے بارہ بیٹے تھے اور سالانہ آمدنی ایک کروڑ دینار تھی۔

رسول اکرم ﷺ کے صحابی حضرت خالد بن ولید ؓ کا باپ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا مال اتنا دے رکھا تھا جو ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ بیٹے بھی تمام ضروریات سے بے نیاز تھے۔ باپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ لوگ اپنی حاجات کو پورا کرنے کے لئے اس کے پاس آتے تھے۔

قریش اسے قریش کا گل خنداں کہا کرتے تھے خالق کائنات نے اس کے لئے سرداری اور جاہ و حشمت کے تمام اسباب مہیا فرمائے تھے۔ ولید اپنے آپ کو وحید ابن وحید یعنی یکتا ابن یکتا کہا کرتا تھا۔ یہ اس کا متکبرانہ لقب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اتنے عظیم احسانات کئے تھے لیکن وہ شکر ادا کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے رسول ؐ کا دشمن بن گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنی دعوت کا آغاز کئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔ کہ حج کا موسم آگیا۔ حج کے موقع پر عرب کے کونے کونے سے لوگ مکہ معظمہ حاضر ہوتے اور اپنے اپنے رسم و رواج کے مطابق عبادت کرتے تھے۔ اہل مکہ نے دارالندوہ میں ایک کانفرنس بلائی تاکہ آپ ؐ کی دعوت کا راستہ روکنے کے لئے کوئی مشترکہ لائحہ عمل مرتب کیا جاسکے اور جو لوگ مکہ سے باہر رہتے ہیں ان کو کوئی ایسی بات بتائی جائے جو طے

شدہ ہو اس میں کفار مکہ کا اختلاف بھی نہ ہو اور لوگ بد ظن بھی ہو جائیں اور اسلام کی دعوت سے دور رہیں۔ ان کو یہ فکر بھی دامن گیر تھی کہ اب تک تو حضور ﷺ کی دعوت کا اثر صرف اہل مکہ تک محدود تھا۔ اگر باہر کے لوگ اسلام قبول کر گئے تو ہماری سیاسی اور ریاستی وجاہت کو شدید خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ اس لئے ضروری تھا کہ تمام لوگ ایک ہی بات پر متفق ہو جائیں تاکہ باہر سے آنے والوں کو متفقہ جواب دیا جائے۔

فیصلہ یہ ہوا کہ اگر ہماری بات میں اختلاف ہوا تو لوگ ہمارا مذاق اڑائیں گے۔ ولید نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے مجلس کے اغراض و مقاصد سے حاضرین کو مطلع کیا۔ اس نے کہا کہ ہم سب کو چاہئے کہ ہم سب ایک بات پر متفق ہو جائیں اور جو شخص بھی محمد ﷺ کے متعلق پوچھے سب ایک ہی جواب دیں۔ بعض لوگوں نے آپؐ کے لئے کاہن کا لفظ تجویز کیا۔ ولید بولا لا واللہ۔ خدا کی قسم وہ کاہن نہیں کاہنوں کے بے ربط اور بے جوڑ فقرے میں نے سنے ہیں۔ قرآن کو کہانت سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ کچھ کہنے لگے۔ کذاب ولید نے کہا لا واللہ۔ لوگ آپ کو صادق اور امین کے لفظ سے پکارتے ہیں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو لوگ ہمارا اعتبار نہ کریں گے۔

غور و خوض کے بعد ایک بولا مجنون کہو۔ ولید نے کہا لا واللہ ۔ مجنون جیسی کوئی حرکت بھی ان کے اندر نہیں پائی جاتی۔

چند لوگوں نے کہا ان کے لئے مناسب لفظ شاعر ہے۔ ولید نے اس پر بھی اتفاق نہ کیا کہنے لگا۔ شعر کی کونسی قسم ایسی ہے جس سے ہم واقف نہیں۔ قرآن کی کسی آیت پر شعر کا اطلاق نہیں ہوتا' پھر کہنے لگا اگر تم نے ان الفاظ میں سے کوئی ایک لفظ بھی کہا تو بیرونی مہمان تم سے بدگمان ہو جائیں گے اور اسے جھوٹی تہمت سمجھیں گے۔ کہنے لگا۔ خدا کی قسم محمد ﷺ کا کلام کسی بشر کا کلام معلوم نہیں ہوتا۔ اس کلام کے الفاظ میں بڑی مٹھاس ہے۔ اس کی جڑیں بڑی گہری اور ڈالیاں پھل دار ہیں۔ یہ ہر ایک

سے اونچا ہے اس سے کوئی اونچا نہیں ہو سکتا ولید یہ کہہ کر مجلس سے اٹھ گیا اور گھر چلا گیا۔ مجمع میں شور مچ گیا ولید نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا ہے۔

ابو جہل نے کہا ٹھہرو تمہاری یہ مشکل میں حل کر دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ افسردہ شکل بنا کر ولید کے گھر گیا۔ ولید نے کہا تم بڑے غمزدہ نظر آرہے ہو۔ کیا وجہ ہے؟ ابو جہل نے کہا اب اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ ولید کو اشتعال دلانے کے لئے اس نے کہا کہ لوگ تیرے لئے گھر گھر سے چندہ اکٹھا کرنے لگے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ تو بھوکا ہو گیا ہے اس لئے محمدؐ اور ابو بکرؓ کی طرف راغب ہو گیا ہے تاکہ ان سے مالی امداد حاصل کر سکے۔ ولید کی رگ جاہلیت پھڑکی کم ظرف تھا۔ فوراً" بھڑک اٹھا۔ کہنے لگا لات و عزیٰ کی قسم میرے جیسا رئیس اعظم انکا محتاج نہیں ہو سکتا۔

آخر بڑی سوچ بچار کے بعد کہنے لگا ہم محمد ﷺ کو ساحر کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اسنے بھائی کو بھائی سے اور بیٹے کو باپ سے جدا کر دیا ہے۔ اور ساتھ یہ بھی تسلیم کیا کہ جادو گروں کی غلیظ زندگی کو محمدؐ کی زندگی سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ رب العالمین نے ان آیات مبارکہ میں فرمایا کہ ہم اسے مرنے کے بعد ایک پہاڑ پر چڑھائیں گے جس کا نام صعود ہے اور دوزخ میں واقع ہے اسے اس پر چڑھنے کا حکم دیا جائے گا جب وہ اپنی جان کو ہلکان کر کے چوٹی پر چڑھے گا تو اس کا پاؤں پھسل جائے گا اور دھڑام سے نیچے آ جائے گا اور متواتر ایسا ہی ہوتا رہے گا اسے پل بھر کے لئے بھی چین نہ ملے گا' نہ حکم سے سرتابی کر سکے گا اس کی سمجھ بوجھ پر پھٹکار ہے اور اس پر کہ اس نے نبی ﷺ اور قرآن کی خوبیوں سے آگاہ ہو کر بھی منہ پھیر لیا۔

آخری اعلان سے پہلے بڑے متکبرانہ انداز میں لوگوں کو دیکھا اور کہا یہ جادو ہے کوئی نئی چیز نہیں۔ قدیم زمانے سے اسکا رواج چلا آرہا ہے۔

ان کو بھی کسی تیسرے جادوگر نے جادو سکھایا ہے۔ اسی لئے گھر گھر میں انتشار و افتراق پیدا ہو گیا ہے۔ یہ اسی جادو کا کرشمہ ہے۔

درس حدیث

رانا محمد اعجاز

عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم من صلی علی مرہ واحدہ صلی اللہ علیہ عشرا

ترجمہ۔ "حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بندہ مجھ پر ایک دفعہ صلوۃ بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار صلوۃ بھیجتا ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں درود و سلام کی امتیازی خاصیت 'فضیلت و اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ درود شریف کی امتیازی خاصیت یہ ہے کہ خلوص دل سے اس کی کثرت' خدا تعالیٰ کی خاص نظر رحمت رسول کریم ﷺ کے روحانی قرب اور آپ کی خصوصی شفقت و عنایت حاصل کرنے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔

درود و سلام اگرچہ بظاہر رسول کریم ﷺ کے حق میں خدا تعالیٰ سے ایک دعا ہے لیکن جس طرح کسی دوسرے کے لئے دعا کرنے کا اصلی مقصد اس کو نفع پہنچانا ہوتا ہے اس طرح رسول پاک ﷺ پر درود سلام بھیجنے کا مقصد آپ کی ذات کو نفع پہنچانا نہیں ہوتا۔ ہماری دعاؤں کی آپ کو قطعاً ضرورت نہیں۔ بلکہ جس طرح خدا تعالیٰ کا ہم بندوں پر حق ہے کہ اس کی عبادت اور حمد و تسبیح کے ذریعہ اپنی عبدیت اور عبودیت کا نذرانہ اس کے حضور پیش کریں اور اس سے خدا تعالیٰ کو کوئی نفع نہیں پہنچتا بلکہ وہ خود ہماری ضرورت ہے اور اس کا نفع ہم کو ہی پہنچتا ہے اسی طرح رسول کریم ﷺ کے محاسن و کمالات آپ کی پیغمبرانہ خدمات اور امت پر آپ کے عظیم احسانات کا حق ہے کہ امتی آپ کے حضور عقیدت و محبت و نیاز مندی کا ہدیہ اور ممنونیت و سپاسگزاری کا نذرانہ پیش کریں اسی لئے درود و سلام کا طریقہ مقرر کیا گیا ہے۔ درود و سلام کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا و ثواب آخرت اور رسول کریم ﷺ کا روحانی قرب اور ان کی خاص نظر عنایت حاصل کرنے کے لئے پڑھا جاتا ہے۔ اور پڑھنے والے کا اصل مقصد بھی یہی ہوتا ہے اور پھر یہ خدا تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ وہ ہمارے درود و سلام کا ہدیہ اپنے رسول پاک تک فرشتوں کے ذریعہ پہنچاتا ہے اور بہت سوں کا آپ ﷺ کو روزہ مبارک میں براہ راست سنواتا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ درود و سلام پیش کرنے کی کیا خاص حکمت ہے انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کی خدمت میں عقیدت و محبت اور وفاداری و نیاز مندی کا ہدیہ اور ممنونیت و سپاس گزاری کا نذرانہ پیش کرنے کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے بعد سب سے مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام ہی کی ہیں اور ان سب میں سے اکرم و افضل خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد ﷺ کی ذات مبارک ہے جب ان کے بارے میں بھی یہ حکم دے دیا گیا کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے یعنی کہ خدا تعالیٰ سے ان کے لئے خاص الخاص عنایت و رحمت اور سلامتی کی دعا کی جائے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی خدا تعالیٰ کی رحمت و عنایت اور نظر کرم کے محتاج ہیں اور ان کا حق اور مقام عالی یہی ہے کہ ان کے واسطے خدا تعالیٰ سے اعلیٰ سے اعلیٰ دعائیں کی جائیں اس کے بعد شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی کتنا بڑا کرم ہے رب کریم کا کہ اس کے اس حکم نے ہم بندوں اور امتیوں کو نبیوں اور رسولوں کا اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کا دعا گو بنا دیا۔ جو بندہ ان مقدس ہستیوں کا دعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے۔

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے خدا تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمت فرماتا ہے اس سے زیادہ کا کوئی بندہ کیسے تصور کر سکتا ہے۔

روحانیت میں ترقی تیزی کے ساتھ اسی وقت ہوتی ہے جب بندہ ذکر اللہ کے ساتھ ساتھ درود و سلام کو بھی بہتات کے ساتھ پڑھے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے بھی روحانی ترقی کا جو سلیبس مقرر کیا ہے اس میں ذکر اللہ کے ساتھ ساتھ درود و سلام کو بھی اہمیت دی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کو ہماری عبادات اور دعاؤں کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں بلکہ یہ ہمارے اپنے فائدے میں ہے تاکہ ہمیں خدا اور اس کے رسول کا قرب اور مقام عبدیت حاصل ہو۔ اور ہم خدا تعالیٰ کے مقرب بندوں میں شامل ہو سکیں ایک حدیث مبارکہ ہے جس میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ بہتات کے ساتھ مجھ پر درود و سلام بھیجے گا روز قیامت وہ میرے ساتھ ہوگا بلکہ اس سے زیادہ سعادت اور خواہش ایک مسلمان کی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہمیں زیادہ سے زیادہ ذکر الٰہی کرنا اور درود شریف پڑھنا چاہئے یہی ہمارے لئے راہ نجات کا وسیلہ ہے۔

صدائے فقیر

حقیقی دشمن

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

عالم بالا میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو تسلیم کرنے کے لئے جو عہد لیا گیا اس کا مقصود تمام انسانوں کو حیات ارضی کے دوران اللہ کی بندگی کے لئے تیار کرنا تھا تاکہ وہ اس کی نازل کی ہوئی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر مومنین کہلوائیں اور فلاح دارین حاصل کریں۔ جو لوگ ایسا نہ کریں گے اور ابلیس کا سا طرز عمل اپنا کر اپنی منزل کے مطابق زندگی گذاریں گے ان کا انجام بھی اسی کے ساتھ ہو گا۔ روز ازل ہی اس کے بارے میں خبردار کر دیا گیا تھا۔ قرآن بیان کرتا ہے کہ جب ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور پھر اسے روز قیامت تک کے لئے مہلت دے دی گئی تو مزید مکالمہ اس طرح ہوا

قال فبعزتک لاغوینھم اجمعین O الا عبادک منھم المخلصین O قال فالحق والحق اقول O لاملئن جھنم منک وممن تبعک منھم اجمعین O (ص 82-85)

"شیطان کہنے لگا مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا سوا ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں۔ اللہ نے فرمایا سچ ہے اور میں بھی سچ کہتا ہوں کہ میں تجھ سے اور جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے سب سے جہنم کو بھر دوں گا"۔

انسان کو تو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی محبت کرنے کے لئے کیا ہے۔ لفظ انسان کا مادہ بھی انس ہے اور انسان میں جبلی طور پر انس و محبت کے جذبے کا غلبہ ہے۔ وہ نہ صرف اپنے ہم جنسوں بلکہ حیوانات' نباتات' چاند' سورج' ستاروں' پہاڑوں آبشاروں اور فطرت کے دیگر نظاروں سے بھی پیار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر انسان ازلی طور پر سعید اور مومن ہے کیونکہ میثاق ارواح کے دوران کسی بھی روح نے اللہ کو اپنا رب تسلیم کرنے سے انکار نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق ہر بچہ فطری طور پر اللہ کا مطیع یعنی مسلمان ہی پیدا ہوتا ہے اور بلوغت کی عمر سے پہلے وفات پا جانے والے سب بچے جنت میں جاتے ہیں۔ معصوم انسانوں کو ہدایت کے نور سے کفر کے اندھیروں میں لے جانے کا کام طاغوتی گروہ سرانجام دیتا ہے جس کا سربراہ شیطان ہے اور اس کے

مددگاروں میں کافر جن، کافر انسان اور بدروحیں شامل ہیں۔ انسان کا حقیقی دشمن صرف شیطان ہے اور دنیوی زندگی میں انسانوں کے مابین نفرت، عداوت، جھگڑے اور جنگیں اس کی تحریص اور ترغیب سے جنم لیتے ہیں تاکہ انسان محبت کی راہ سے ہٹ کر اپنی حقیقی منزل سے دور جا پڑے اور فتنہ و فساد میں مبتلا ہو کر دوزخ میں اس کا ساتھی بن جائے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بنی نوع انسان کو خطاب فرماتے ہیں

یایھا الناس ان وعد اللہ حق فلا تغرنکم الحیوۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور○ ان الشیطن لکم عدو فاتخذو عدوا انما یدعوا حزبہ لیکونوا من اصحب السعیر○ (فاطر 5 اور 6)

”اے لوگو آخرت کی زندگی کے بارے میں اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ ہی فریب دینے والا شیطان تمہیں فریب میں مبتلا کرے۔ بلاشبہ شیطان تمہارا دشمن ہے پس تم بھی اسے دشمن سمجھو۔ وہ اپنے چہیتوں کے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہو جائیں“۔

بنی نوع انسان کے لئے اپنے اس مکار اور نظر نہ آنے والے دشمن سے محفوظ رہ کر حقیقی فلاح کی منزل حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے بابرکت آئین کے تحت زندگی بسر کرے۔ اللہ کے دین میں جور و جبر، ظلم و فساد، مکر و فریب، ہوا و ہوس اور جوع الارض کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دین اسلام میں انسانوں کو انسان کا غلام بنانے کی بجائے اللہ احکم الحاکمین کی حاکمیت کا نفاذ کیا جاتا ہے۔ اس فطری نظام میں کسی بھی انسان کو دوسرے انسان پر کسی قسم کی پیدائشی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ صرف اہل ایمان لوگ اللہ کی محبت اور تقویٰ کے مدارج کی مناسبت سے عزت و اکرام پاتے ہیں۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے ایک نئے مسلمان کو وہی معاشی اور معاشرتی حقوق حاصل ہو جاتے ہیں جو مسلم امت کے سربراہ کو حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ کا آئین ساری بنی نوع انسان کو ایک ہی کنبہ گردانتا اور محبت، خدمت اور اکرام انسانیت کو فروغ دینے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کے تحت وہ اللہ تعالیٰ کے آئین سے روگردانی کرنے والے کفار سے بھی حسن سلوک اور رواداری برتنے کا حکم ہے۔ اس میں جہاں اپنے والدین، بہن بھائیوں، بیوی بچوں اور دیگر رشتہ داروں سے محبت و مودت کی تعلیم ہے وہاں بلا امتیاز مذہب و ملت اپنے

ہمسایوں، ہمراہیوں، ہم وطنوں، مسافروں، یتیموں، مسکینوں، کام کاج کے ساتھیوں اور تمام بنی نوع انسان بلکہ ہر جاندار کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنے کی تاکید بھی ہے۔ خالق کائنات اپنی پیاری مخلوق کے مصائب کم کر کے اس کی فلاح و بہبود اور خدمت کے لئے مال و دولت صرف کرنے کو اپنے دین کا نہایت ہی اہم رکن قرار دیتا ہے۔ اللہ کی ربوبیت اور الوہیت کا علمبردار دین پوری انسانیت کے لئے سلامتی، محبت و خدمت اور امن و آشتی کا آئین ہے۔ سارے فسادات اس مقدس آئین کی خلاف ورزی کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ یہ زر، زن اور زمین کے انفرادی جھگڑے ہوں یا قوموں کی سطح پر دوسرے انسانوں کا استحصال کرنے اور کمزور قوموں کو غلام بنانے کے معاشی اور جنگی منصوبے ہوں سب کے سب انسانی نفس کی ہوس کاری اور تلبیس ابلیس کے شاخسانے ہیں۔ قرآن حکیم انسان کو اس کے ازلی دشمن کی تخریب کاریوں کے انداز اور باہمی عناد و فساد پیدا کرنے کے طریقہ کار سے آگاہ کرتا ہے۔ یہاں چند منتخب آیات کا ترجمہ تحریر کیا جاتا ہے۔

☆ "اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پاسے یہ سب ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں۔ سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ تو تم کو ان کاموں سے باز رہنا چاہئے"۔ (المائدۃ 90 اور 91)

☆ "شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا ہے اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے۔ یہ لوگ شیطان کا لشکر ہیں اور سن رکھو کہ شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے"۔ (المجادلۃ - 19)

☆ "اور بے شک شیاطین اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم لوگ ان کے کہنے پر چلے تو بے شک تم بھی مشرک ہو"۔ (الانعام - 121)

☆ آپ میرے بندوں سے کہہ دیں کہ لوگوں سے ایسی باتیں کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں۔ کیونکہ شیطان بری باتوں سے ان میں فساد ڈلوا دیتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے"۔ (بنی اسرائیل - 53)

☆ "اور دیکھنا شیطان کا کہنا نہ ماننا وہ تمہیں تنگ دستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے" (البقرۃ - 268)

ان آیات مبارکہ میں ابلیس کے منشور کے بارے میں خبردار کر دیا ہے۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ اپنے دشمن کے بچھائے ہوئے جال سے دور رہے بت پرستی، وطن پرستی، قوم پرستی، شراب، منشیات، جوئے، قمار بازی، بد زبانی، تلخ کلامی، مذہبی تعصب، بخل اور مال و دولت کی ہوس سے بچے تاکہ باہمی لڑائیاں جھگڑے اور جنگیں جنم نہ لیں۔ صحیح سمت میں ترقی کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے معبود و محبوب اللہ، اس کے ذکر، نماز اور اس کی مخلوق سے محبت رکھے۔ یہ بات یاد رہے کہ شیطان قرآن کی اصطلاح کے مطابق فحشاء و منکر کا حکم دیتا ہے اور فاقے کا خوف دلا کر بخل کی بے حیائی پر لگاتا ہے اور اللہ تعالیٰ انسانوں کو نماز قائم کرنے اور اس کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اور نماز کی اہمیت جتلاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے

ان الصلوۃ تنھی عن الفحشا والمنکر ولذکر اللہ اکبر واللہ یعلم ما تصنعون ۝ (العنکبوت۔45)

"بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں (فحشاء و منکر) سے روکتی ہے۔ اور اللہ کا ذکر بہت بڑا کام ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے"

معلوم ہوا کہ شیطان کے حملوں کے خلاف نماز اور ذکر ایک مضبوط قلعے کا کام دیتے ہیں۔ اسلام کا یہی پیغام ہے کہ اللہ کی ربوبیت، آخرت کی زندگی پر ایمان اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کی بنیاد پر ایک عالمگیر نظام قائم کیا جائے تاکہ انسانیت کے دکھوں کی طویل رات ختم ہو اور وہ سکھ کا سانس لے کر اللہ کی محبت کی منزل کی طرف گامزن ہو سکے۔

جن آیات کا ترجمہ اوپر بیان کیا گیا ہے ان میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خبردار کر دیا ہے کہ شیطان تمہیں بہلا پھسلا کر جوئے اور شراب کی لذتوں میں پھنسا کر اور لہو و لعب کار سیا بنا کر ذکر اور نماز سے ہٹانا چاہتا ہے اور جو لوگ نماز اور ذکر سے منہ موڑ لیں گے وہ گویا اللہ کو ہی بھول گئے۔ ایسے لوگ حزب الشیطان یعنی شیطانی گروہ بن جائیں گے اور آخرت کی زندگی میں خسارہ پانے والوں میں ہوں گے۔ اسی طرح انسانوں کو باہمی گفتگو میں شیریں زبانی اور خوش کلامی کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ جھگڑے کھڑے کرنے اور لڑائیوں کو بھڑکانے میں زبان کی آتش فشانی شیطان کا نہایت ہی موثر ہتھیار ثابت ہوتی ہے۔ حزب الشیطان کے مقابلے میں حزب اللہ کا ذکر سورت المائدۃ کی آیات 55 اور 56 میں کیا گیا ہے۔ ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"اے ایمان والو! تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومن لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکتے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں سے دوستی کرے گا وہ حزب اللہ میں داخل ہوگا اور حزب اللہ یعنی اللہ کا گروہ ہی غلبہ پانے والا ہے"۔

حزب اللہ میں تمام انبیاء، شہدا، صدیقین اور مومنین شامل ہیں اور اس گروہ کے سالار اعظم حضور خاتم النبیین، رحمۃ اللعلمین، سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ یہ گروہ لوگوں کو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لا کر اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دیتا ہے جس کے نتیجے میں دنیا کی زندگی میں اطمینان قلب، ذہنی سکون، امن و امان اور خوشحالی ملتی ہے اور آخرت کی زندگی میں جنت کی نعمتیں اور اللہ کا قرب و دیدار عطا ہوتا ہے۔ شیطان کی سازشوں سے بچنے کی ایک ہی ترغیب ہے کہ جزوی یعنی آدھی پونی مسلمانی کے ساتھ ساتھ شیطان سے بھی تھوڑی تھوڑی دوستی قائم رکھنے والی روش ترک کر دی جائے اور حتی الوسیع سو فیصد مومن بن کر اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اللہ کی بندگی کا حق ادا کیا جائے تاکہ دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے اپنے دامن بھر سکیں۔ اسی طرح اللہ کے دو ٹوک حکم کے مطابق شیطان لعین کو پکا دشمن سمجھتے ہوئے اس کی پوری پوری مخالفت کی جائے۔ کیونکہ شیطان سے دوستی رکھنے والے کے انجام سے اللہ علیم خبیر نے ہمیں باخبر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا

کتب علیہ من تولا لا فانہ یضلہ ویھدیہ الی عذاب السعیر (الحج-4)

"شیطان کی بابت لکھ دیا گیا ہے کہ جو اسے دوست رکھے گا تو وہ اسے گمراہ کریگا اور دوزخ کے عذاب کا راستہ دکھائے گا"۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی انسان دشمنی، مکاری، فریب دہی اور دھوکہ بازی کے متعلق بڑی تفصیل کے ساتھ ہمیں خبردار کر دیا ہے۔ اس کے باوجود انسانوں کی ایک کثیر تعداد اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اختیار کا غلط استعمال ضرور کرے گی۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور حیات بعد الموت کے یکسر منکر ہو کر یا ایمان کی کمزوری کے باعث ابلیس کے پھندوں میں پھنس جائیں گے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انہیں پھر ایک مرتبہ عہد الست کے مطابق صرف اپنی بندگی کرنے کی اہمیت یاد دلائیں گے اور ابلیس کی انسان دشمنی کے بارے میں کی ہوئی تنبیہ فراموش اور نظر انداز کر دینے پر

سرزنش کرتے ہوئے فرمائیں گے۔

وامتازو الیوم ایھا المجرمون ○ الم اعھد الیکم یبنی ادم ان لا تعبدوا الشیطن انه لکم عدو مبین ○ وان اعبدونی ھذا صراط مستقیم ○ ولقد اضل منکم جبلا کثیرا افلم تکونوا تعقلون ○ ھذہ جھنم التی کنتم توعدون ○ اصلوھا الیوم بما کنتم تکفرون ○ (یاسین 59 تا 64)

"اے گنہگارو آج تم الگ ہو جاؤ۔ اے آدم کی اولاد ہم نے تم کو کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ صرف میری ہی عبادت کرنا کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ اور اس نے تم میں سے بہت سی خلقت کو گمراہ کر دیا تھا تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے۔ یہی وہ جہنم ہے جس کی تمہیں خبر دی جاتی تھی۔ سو جو تم کفر کرتے رہے ہو اس کے بدلے آج اس میں داخل ہو جاؤ"۔

اللہ مالک یوم الدین کا یہ فرمان سن کر ظالم لوگ بہت پچھتائیں گے۔ نہ کوئی معذرت قبول ہو گی نہ ہی دنیا میں پھر ایک مرتبہ بھیجنے کی التجا کی شنوائی ہو گی۔ سب قریبی رشتہ داریاں اور دوستی کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ جب دنیا ہی باقی نہ رہے گی تو دنیا کے ناطے کیونکر باقی رہ سکتے تھے۔ اس وقت گناہگاروں کی جو کیفیت ہو گی اس کا حسرت انگیز نقشہ قرآن مجید اس طرح کھینچتا ہے

ویوم یعض الظالم علی یدیه یقول یلیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا ○ یویلتی لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا ○ لقد اضلنی عن الذکر بعد اذ جانی وکان الشیطن للانسان خذولا ○ وقال الرسول یرب ان قومی اتخذوا ھذا القران مھجورا ○ (الفرقان 27۔28)

"اس دن ناعاقبت اندیش ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا اور کہے گا کہ اے کاش میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ رشتہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے شامت کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے مجھ کو قرآن جیسی نصیحت میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا۔ اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے اور رسول کہیں گے کہ اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا"۔

مجالس فقیر

مجھے عزرائیل کہتے ہیں

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک دن قبلہ حضرتؒ نے فرمایا کہ تمہیں ایک مزیدار قصہ سناتا ہوں۔ جب ہندوستان میں طاعون کی وبا پھیلی تو میرے ایک ماموں تھے وہ بھی بیمار پڑ گئے۔ وہ بہت ہی سادہ ' پرہیزگار اور درویش صفت انسان تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ میں بیماری کے دوران رات کو اپنے کمرے میں تنہا لیٹا ہوتا تھا کہ دروازے سے ایک صاحب اندر تشریف لائے۔ میں نے دریافت کیا کہ جناب کی تعریف۔ تو اس نے جواب میں کہا کہ بندے کو عزرائیل کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ تو اس نے کہا کہ خدمت یہی ہے کہ آپ کی موت کا وقت آن پہنچا ہے اور میں آپ کو لیجانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ اگر آپ تھوڑی زحمت فرمائیں تو میری طرف سے اللہ میاں کو گذارش کریں کہ مجھے جانے پر تو کوئی اعتراض نہیں لیکن میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان کا کیا بنے گا۔ اس پر وہ صاحب دروازے سے باہر گئے اور پھر لوٹ آئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہیں بچوں کی کیوں فکر ہے ان کے پالنے والے ہم جو ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں یہ تو بالکل درست ہے اللہ ہی مسبب الاسباب اور سب کا پالنہار ہے اور مجھے انکی بالکل فکر نہیں ہونی چاہئے لیکن ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ مجھ پر کچھ قرض کا بوجھ ہے اور یہ تو مجھے ہی ادا کرنا چاہئے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے بعد کوئی میرے بچوں کو میری وجہ سے تنگ کرے۔ آپ کو زحمت تو ضرور ہو گی لیکن آپ پھر ایک مرتبہ جائیں اور اللہ میاں سے میری طرف سے التجا کریں کہ قرض ادا کرنے تک زندگی کی مہلت دے دیں انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے میں تمہاری خاطر دوبارہ جاتا ہوں۔ وہ حسب سابق تھوڑی دیر کے لئے باہر نکلا اور واپس آگیا اور کہنے لگا کہ اللہ میاں کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے تمہیں قرض ادا کرنے تک مہلت دی جاتی ہے۔ وہ کمرے سے چلا گیا اور میں سو گیا۔ جب میں صبح اٹھا تو طاعون کی سب علامات غائب تھیں اور میں بالکل تندرست ہو گیا۔ انہوں نے جب یہ قصہ مجھے سنایا تو میں نے کہا ماموں جان اب تو آپ کے مزے ہو گئے۔ آپ جتنی دیر چاہیں زندہ رہ سکتے ہیں۔ آپ اپنے سر پر قرض چڑھائے رکھیں۔ اللہ میاں قرض کی ادائیگی تک زندگی کی مہلت تو منظور کر ہی چکے ہیں۔ لیکن اتفاق ہی ایسا ہوا کہ وہ کافی عرصہ تک مقروض ہی رہے۔ ان کی معمولی سی ملازمت تھی اور بڑی مشکل سے اخراجات پورے ہوتے تھے۔ انہیں ریٹائرمنٹ کے بعد یکمشت کافی رقم ملی اور انہوں نے تمام قرضے چکا دئے۔ جس دن انہوں نے آخری قرض نمٹایا اسی دن وہ فوت ہو گئے۔ ان دنوں میں ایک مکان کی اوپر والی منزل میں رہائش پذیر تھا کہ میرے کمرے کی گلی کی سمت والی کھڑکی پر دستک ہوئی۔ میں نے حیران ہو کر کھڑکی کھولی تو دیکھا کہ ماموں جان کی روح پرواز کرتے ہوئے مجھے کہہ رہی تھی کہ لو میاں ہم تو جا رہے ہیں۔

خواجہؒ کے خطوط

(تدوین و ترتیب خالد مسعود)

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ سے مریدین حصول مقاصد کے لئے وظائف بھی طلب کرتے رہتے تھے۔ عموماً آپ اسمائے باری تعالیٰ ہی سے انتخاب کرکے ایک یا چند اسماء پڑھنے کو بتاتے۔ بھائیوں کے استفادہ کی خاطر ہم اس ماہ ایسے خطوط شائع کر رہے ہیں جن میں آپ نے وظائف تلقین فرمائے۔

(1) فراخی رزق کے لئے

(بنام محمد قاسم صاحب 62-1-9)

"رات کو نماز عشاء کے بعد سبحان اللہ وبحمدہ" 101 مرتبہ پڑھیں اور سجدہ میں جا کر جو کچھ اللہ نے آپ کو دے رکھا ہے اس کے لئے اللہ کا شکر ادا کریں۔ سچے دل سے ' پھر آئندہ ترقی رزق کے لئے دعا کریں۔ جو اللہ کا پاس انفاس کرتا ہے اور درود اور نماز نہیں پڑھتا اس پر ہمیشہ رزق کی تنگی رہتی ہے"۔

(2) دنیوی ترقی کے لئے

(بنام محمد قاسم صاحب 63-9-11)

"اللہ آپ پر اپنی رحمت کا نزول فرمائے اور دین و دنیا دونوں کثرت سے دے۔ ممکن ہو تو صبح کی نماز کے بعد 21 مرتبہ "انا اعطینک الکوثر" پوری سورت پڑھ لیا کرو دنیا کی ترقی کے خیال سے۔ اول و آخر 3۔3 مرتبہ درود شریف"۔

(3) اولاد کے لئے

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 65-2-27)

"کسی وقت ایک بوتل پر "یا خالق" جتنی مرتبہ دل کہے پڑھ کر پل حقنواز کو دے دیں اور وہ اپنی بیوی سے کہہ دیں کہ یہ پانی صبح شام تھوڑا پیتی رہیں۔ جب بوتل آدھی رہ جائے تو اور تازہ پانی ملا لیا کریں۔ تین ماہ بلاناغہ استعمال کریں۔ امید ہے کہ اللہ بچے دے دیگا"۔

(4) پر سکون نیند کے لئے

(بنام محمد قاسم صاحب 64-9-9)

"رات کو بے چینی دفع کرنے اور پر سکون نیند کے لئے تین بار سورۃ مزمل پڑھ کر اور ہاتھ پر دم کرکے بدن پر پھیر کر سو جایا کریں تو اس سے فائدہ یقینی ہے"۔

(5) روزگار میں برکت کے لئے

(بنام محمد قاسم صاحب 60-9-6)

"آپ پہلے تو فرماتے تھے کہ کام ٹھیک چل رہا ہے۔ اچھا آپ صبح کی نماز کے بعد پانچ تسبیح "یا منعم" کی پڑھا کریں اور پانچ عشاء کی نماز کے بعد۔ اللہ روزگار میں برکت دے گا"۔

(6) ٹانگ میں درد کے لئے

(بنام محمد اشرف صاحب 74-8-19)

"ڈار صاحب سے کہیں کہ دن میں تین چار مرتبہ یا زیادہ "یا حکیم" جتنی مرتبہ دل چاہے پڑھ کر درد کی جگہ پر ہاتھ پھیر لیا کریں۔ انشاء اللہ آرام ہو جائے گا"

حضرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

"میں 1911ء میں جب کہ میری عمر اٹھارہ سال تھی خاندان نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوا۔ اور سات آٹھ سال کی سخت اور متواتر جدوجہد کے بعد نقشبندیہ سلوک پورا کر لیا۔ اس سلوک سے طبیعت میں انکسار' تورع اور کشف و کرامات تو حاصل ہو گئیں لیکن جس مقصد کے لئے بیعت ہوا تھا وہ حاصل نہ ہوا یعنی رویت باری تعالیٰ حاصل نہ ہوئی۔ اس کے بعد خاندان چشتیہ میں بیعت کی اور پانچ چھ سال میں یہ سلوک بھی طے کر لیا۔ اس سلوک سے طبیعت میں لطافت' اخلاق میں شیرینی' حسن اور جمالیات کا ادراک اور عشق و محبت کا سوز و گداز تو میسر آ گیا لیکن رویت باری تعالیٰ یہاں بھی عنقا ہی رہی۔ اس کے بعد اور کسی سلسلہ میں بیعت تو نہ ہوا مگر قادریہ اور دوسرے کئی سلسلوں کے سلوک کا مطالعہ بالاستیعاب کیا لیکن رویت کے حصول کا وہاں بھی کوئی ذکر نہ تھا۔ اب میں خاموش ہو کر بیٹھ گیا اور کسی لطیفہ غیبی کا منتظر رہا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور ایک بزرگ سے ملاقات کرا دی۔ یہ حضرت اویسی تھے نہ خود کسی سے بیعت تھے نہ بیعت فرماتے تھے۔ اس لئے بیعت تو نہ ہو سکا لیکن بیس پچیس سال ان سے فیض کثیر ملتا رہا۔ اب میں فیض تو ان سے لیتا تھا لیکن ذکر و فکر وغیرہ اپنے اسی پرانے سلسلے نقشبندیہ کا کرتا تھا۔ اس مرتبہ سلوک عجیب طرح سے طے ہوا۔ یعنی ناسوت سے ذات بحت تک سارے راستے گردو پیش کے ماحول کو دیکھتا اور سمجھتا ہوا گذرا۔ یعنی پہلے دوزخ کے طبقات دیکھے۔ پھر علی الترتیب اعراف' ملکوت' جبروت' لاہوت اور ہاہوت کی جنتوں کی سیر کرتا ہوا ھو کے نچلے طبقے میں داخل ہوا۔ یہاں مجھ پر وحدت الوجود کی کیفیت طاری ہوئی۔ یہ وہی کیفیت ہے جس کو جناب ابن عربیؒ نے حقیقت فرمایا ہے۔ الحمد للہ کہ میں نے یہاں زیادہ قیام نہ کیا ورنہ میں بھی وجودی ہو کر رہ جاتا۔ جب میں ھو کی اوپر والی سطح پر پہنچا تو وہاں وہ کیفیت نظر آئی جس کو مجدد صاحبؒ نے ظلیت کہا ہے۔ یہاں سے بھی جلدی ہی نجات مل گئی۔ اس کے بعد میں کچھ عرصہ عدم میں رہا لیکن برابر آگے بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ عدم پار کر کے عالم امر میں داخل ہو گیا۔ اور آخر کار 26۔ 27 برس کی متواتر کوشش کے بعد 1953ء میں اپنے مقصد حیات سے ہمکنار ہوا۔ الحمد للہ جو چاہتا تھا مل گیا"

مذکورہ بالا تحریر حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری ؒ کی ہے اور ان کی کتاب "حقیقت وحدت الوجود" سے نقل کی گئی ہے۔ اس میں جس اویسی بزرگ سے ملاقات کا ذکر آیا ہے وہ حضرت رسالدار محمد حنیف خاں صاحب تھے۔ ان سے آپ کی جس طرح ملاقات ہوئی اس کا ذکر آپ کی محفل میں اکثر ہوتا رہتا تھا۔ اپنی یادداشت کے سہارے میں ان کی کہانی انہی کی زبانی سنادوں تو زیادہ مزہ آئے گا آپ ؒ نے فرمایا:۔

"جب میں اپنے مرشد حضرت مولانا کریم الدین احمد ؒ سے بیعت ہونے لگا تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ تم کس غرض سے بیعت ہونا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میرے تین مقاصد ہیں ' اول روحانی طاقت ' دوسرے تزکیہ اخلاق اور تیسرے دیدار باری تعالیٰ اس پر حضرت مولانا ؒ نے فرمایا کہ پہلی دو چیزیں تو تم کو میرے ذریعہ سے مل جائیں گئیں تیسری چیز یعنی دیدار باری تعالیٰ میرے بس کی بات نہیں۔ اس کے بدلے میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ معرفت باری تعالیٰ کسی نہ کسی قدر حاصل ہو جائے گی۔ میں نے اپنے مرشد سے پوچھا کہ آپ اتنا بتا دیں کہ یہ دولت میری قسمت میں ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو کس عمر میں حاصل ہو گی۔ اس پر مولانا ؒ نے تھوڑی دیر سکوت فرمانے کے بعد کہا کہ ہاں تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز پیدا کی ہے کہ جب تک تم زندگی میں خدا کو نہ دیکھ لوگے مرو گے نہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ دولت تمہیں زندگی کے ساٹھویں سال میں نصیب ہو گی۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپ اس وقت حیات ہونگے تو آپ نے جواب دیا کہ میری تو قبر کا نشان بھی اس وقت نہیں ہو گا۔ بلکہ تمہیں جو کچھ مجھ سے ملے گا میرے مرنے کے بعد سب کچھ ختم ہو جائے گا اور تم چودہ پندرہ برس تک یونہی پھروگے۔ پھر تمہیں تمہارا ایک دوست ملے گا تو تمہارا کام بن جائے گا۔ اس کے پاس تمہارا حصہ ہے اس کی تعلیم اور صحبت سے تمہارے اندر وہ صلاحیتیں پیدا ہو جائیں گی جو جیتے جی اللہ کا دیدار حاصل کرنے کے لئے لازمی ہوتی ہیں۔ چنانچہ جیسا آپ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ بیعت ہونے کے بعد میں نے خوب محنت کی اور اللہ کے فضل و کرم سے میرے تین لطیفے قلب' روح اور سر روشن ہو گئے اور ان کے دوائر کی سیر بھی میسر آ گئی۔ اس پر مولانا ؒ نے مجھے مبارک باد دی اور بیعت کرنے کی اجازت بھی فرمائی۔ مولانا ؒ کا 1920ء میں انتقال ہو گیا تو ان کے بعد میں سست پڑ گیا اور آہستہ آہستہ

اورادو وظائف چھوٹ گئے۔ نمازوں میں سرور و حضور باقی نہ رہا تو وہ بھی چھوڑ دیں اور ہم خالی
خولی دنیا دار بن کر رہ گئے۔ بس شعرو شاعری ہوتی اور دوست کے ساتھ گپ شپ اور تاش یا
شطرنج کی بازی چلتی۔ یہ اللہ کا کرم رہا کہ کسی گناہ میں مبتلا نہیں ہوئے۔ اس دوران جب کبھی
روحانیت والی زندگی یاد آتی تو اپنی حالت پر بڑا دکھ ہوتا۔ تنہائیوں میں کئی مرتبہ رویا بھی لیکن کیا
بنتا تھا۔ ان دنوں انڈین آرمی جنرل ہیڈ کوارٹرز دہلی میں مترجم کی حیثیت سے ملازم تھا۔ مجھے
سرکاری کام کے سلسلے میں کچھ عرصہ کے لئے بلگام جانا پڑا۔ وہاں آرمی کا ٹریننگ سکول تھا اور وہاں
ہمیں ترجمے کا کچھ کام کرنا تھا۔ ایک دن بارش کے بعد میں سیر کرتے کرتے پہاڑوں کی جانب نکل
گیا اور شام ہو گئی۔ اڑتے ہوئے بادلوں اور ہلکی ہلکی دھند میں نظر آنے والی شہر کی روشنیوں
نے ایک عجیب سی کیفیت پیدا کر دی اور اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں امڈ آئی۔ میں وہاں بیٹھ کر کافی
دیر روتا رہا۔ جب ذرا طبیعت سنبھلی تو گھر لوٹا اور کھانا کھا کر سو گیا۔ رات کو خواب میں میرے
دادا جان حضرت عبدالعزیزؒ تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ روتے کیوں ہو؟ حوصلہ رکھو اور صبر
کرو۔ تمہیں ایک دوست ملے گا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا روؤں نہیں تو کیا
کروں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دولت ملی وہ چھن گئی ہے۔ مولانا کریم الدین احمدؒ نے بھی
فرمایا تھا کہ تمہارے ایک دوست کے پاس تمہارا حصہ ہے۔ لیکن وہ کب ملے گا؟ اس کا کوئی اتا پتا
اور نام تو معلوم ہو۔ دادا جی نے فرمایا اس کا نام ہے محمد حنیف خاں اس پر میری آنکھ کھل گئی اور
پاس پڑی ہوئی ڈائری پر یہ نام نوٹ کر لیا اور پھر سو گیا۔ صبح اٹھا تو اس نام کے آدمی کی تلاش
شروع کر دی۔ ایک تھانیدار محمد حنیف خاں سے دوستی لگائی پھر ایک قصائی سے یارانہ گانٹھا لیکن
سب پھکڑ نکلے۔ کام کا کوئی آدمی نہیں ملا۔ وہاں چھاؤنی میں نظام آباد پنجاب کے رہنے والے ایک
صاحب کی سپورٹس کے سامان کی دکان تھی اور اس پر فوجیوں کا آنا جانا رہتا تھا۔ سہ پہر کے وقت
میں بھی وہاں چلا جاتا اخبار دیکھتا اور ان سے گپ شپ لگانے کے بعد آ جاتا۔ مجھے شروع ہی سے
پنجابی اچھے لگتے ہیں۔ دہلی والوں کے تکلفات کے مقابلے میں ان کی سادگی مجھے زیادہ پسند ہے۔
ایک دن حسب معمول میں وہاں بیٹھا تھا کہ رسالے کے آٹھ دس وائسرائے کمیشن آفیسر
(V.C.O) وہاں آ گئے تو دکاندار نے ان کے لئے کرسیاں لگوا دیں اور چائے کا آرڈر دے دیا۔

وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ قریب کی مسجد سے نماز عصر کے لئے اذان کی صدا بلند ہوئی۔ ان میں سے ایک صاحب اٹھے اور انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نماز پڑھ کر آتا ہوں میرے لئے چائے ضرور رکھنا۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں خیال گذرا اور میں نے باقی لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ غالباً" ہم سبھی مسلمان ہیں لیکن نماز کے لئے اذان ہوئی ہے تو صرف ایک آدمی کو توفیق ہوئی کہ نماز کے لئے اٹھا۔ حالانکہ میں خود بھی نہیں گیا تھا۔ اس پر ان کے ایک ساتھی جنہیں دوسرے شاہ جی کہہ کر مخاطب ہو رہے تھے بولے کہ اس کی کیا بات ہے یہ آدمی تھوڑا ہی ہے۔ میں نے پوچھا کیوں جناب اس میں کیا خاص بات ہے۔ اس پر شاہ جی نے فرمایا کہ ہم یہاں ٹریننگ کے لئے آئے ہوئے ہیں شروع میں رہائش کی تنگی کی وجہ سے میں اور یہ صاحب ایک ہی کمرے میں رہتے تھے ذرا اس کے معمولات ملاحظہ ہوں۔ یہ صبح سب سے پہلے تیار ہو کر مسجد جاتا ہے پھر ہم ٹریننگ کے لئے اپنی یونٹ میں چلے جاتے ہیں۔ جب واپس آتے ہیں تو یہ صاحب دوپہر کا کھانا کھا کر اور ظہر کی نماز پڑھ کر سو جاتا ہے۔ پھر یہ اس وقت اٹھتا ہے جب عصر کا تھوڑا سا وقت باقی رہ جاتا ہے۔ یہ عصر پڑھتا ہے اور وہیں بیٹھے بیٹھے چائے پیتا ہے پھر مغرب کی نماز ادا کر کے میس چلا جاتا ہے وہاں کھانے کے بعد دوستوں کے ساتھ گپ شپ اور ہاؤ ہو میں لگا رہتا ہے اور دیر سے واپس لوٹتا ہے۔ آکر عشاء کی نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے اور ساری رات مصلے پر گذار دیتا ہے اور بالکل نہیں سوتا۔ تو یہ ہیں جناب ان صاحب کے معمولات۔ بتایئے یہ بھلا آدمیوں والی باتیں ہیں۔ ہاں ایک بات ہے کہ اس کے پاس کئی لوگ دعا وغیرہ کرانے کے لئے آتے رہتے ہیں اور یہ ہم نے دیکھا ہے کہ جو کچھ یہ کہتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ پھر تو یہ شخص ولی اللہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اتنی عبادت کرتا ہے کہ ساری ساری رات سوتا ہی نہیں اور جو اس کی زبان سے نکلتا ہے اللہ اسے پورا کر دیتا ہے۔ اس پر شاہ جی نے فرمایا کہ ہمیں نہیں پتہ کہ ولی کیا ہوتا ہے بہرحال یہ ہے ایسا ہی۔ اس پر میں نے استفسار کیا کہ ان صاحب کا نام کیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ان کا نام ہے محمد حنیف خاں۔ یہ نام سنتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے میں نے 440 واٹ کی کسی بجلی کی تار کو چھو لیا۔ سر سے لے کر پاؤں تک زن سے لرزے کی ایک لہر دوڑ گئی اور دل نے کہا کہ یہی وہ ہستی ہے جسے تو برسوں سے تلاش کر رہا ہے۔ مجھ سے پھر بھلا کیسے رہا جاتا میں اٹھا اور

مسجد کی طرف چل دیا۔ میں نے دروازے سے اندر کی طرف جھانکا تو وہ نماز پڑھ چکے تھے اور سواروں والی وردی کی برجس پر پٹیاں لپیٹ رہے تھے اس لئے میں باہر ہی سیڑھیوں کے پاس کھڑا ہو گیا۔ وہ بوٹ پہن کر باہر آ گئے اور جونہی سیڑھیوں سے اترے تو میں نے سلام کیا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے میں نے سوچا کہ جب مجھے کئی سال پہلے بتا دیا گیا کہ تمہارے دوست کے پاس تمہارا حصہ ہے تو انہیں بھی یقیناً" اس کی خبر ہو گی۔ اس لئے بلا کسی تمہید کے میں نے کہا کہ جناب بات یہ ہے کہ یا تو آپ مجھے اپنا مرید کر لیں یا میرے مرید ہو جائیں۔ وہ یہ سن کر دو قدم دور ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں نہ تو کسی کا مرید ہوں نہ مرید کرتا ہوں میں جانتا ہی نہیں کہ پیری مریدی نہیں جانتے تو میرے مرید ہو جایئے میں نقشبندیہ خاندان سے سند یافتہ ہوں اور میں آپ کو سکھا دونگا کہ پیری مریدی کیا ہوتی ہے۔ انہوں نے بڑے غور سے مجھے دیکھا اور کہا کہ آپ کے پاس رکھا ہی کیا ہے جو میں آپ کا مرید بنوں۔ ایسی باتیں بازار میں نہیں کرتے تم مجھے میرے گھر پر ملو۔ میں نے کہا کہ بہت خوب آپ اپنے کوارٹر کا پتہ بتا دیں۔ انہوں نے مجھے اپنا ایڈریس دیا اور میں ہاتھ ملا کر چلا آیا۔ اگلے روز ڈیوٹی میں وقفہ کے دوران میں ان کا کوارٹر دیکھ آیا تاکہ پھر ڈھونڈنا نہ پڑے۔ دفتر سے چھٹی ہوتے ہی میں انکی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔ ان کے گھر کا گیٹ کھلا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ وہ میری پشت کئے کرسی پر بیٹھے ہیں اور انکا اردلی جس کا نام بشارت تھا انکے بوٹ اور پٹیاں کھول رہا تھا۔ میں جوں ہی گیٹ میں داخل ہوا انہوں نے اردلی سے کہا کہ چھوڑ دو اور ہمارے مہمان کیلئے کرسی لے کر آؤ میں نے سلام کیا اور کہا کہ میں مانتا ہوں کہ آپ ولی اللہ ہیں اور آپ کو پیچھے سے بھی نظر آتا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور مجھے کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ میں بیٹھ گیا تو آپ نے پوچھا کہ ہاں جناب کل آپ نے مجھے کیا کہا تھا؟ میں نے کہا کہ میں نے آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ یا تو آپ مجھے اپنا مرید کر لیں یا میرے مرید بن جائیں۔ انہوں نے بھی کل والا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نہ تو کسی کا مرید ہوں نہ کسی کو مرید بناؤں گا البتہ دوستی کر لیتا ہوں۔ ان کی بات سن کر مجھے مایوسی سی ہوئی کہ میرا مطلوبہ آدمی تو یہی ہے لیکن یہ مانتا ہی نہیں۔ اس پر مجھے میرے مرشد" اور دادا جان" کی خواب والی باتیں یاد آئیں تو یہ بات کھلی کہ میں غلطی پر ہوں۔ انہوں نے یہی تو فرمایا تھا کہ تمہارا

دوست ملے گا اور یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ دوستی کر لیتا ہوں مرید نہیں بناتا۔ یہ سوچ آنے پر میں دوبارہ کھل اٹھا اور ہاتھ بڑھا کر کہا کہ چلو پھر دوستی ہی کر لو۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے میرا ہاتھ جھٹک دیا اور فرمایا ایسے ہی ہر للو پنجو سے دوستی نہیں کرتا۔ میں پہلے امتحان لیتا ہوں اگر کوئی اس میں پاس ہو جائے تو پھر دوستی کرتا ہوں ورنہ نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ٹھیک ہے آپ میرا امتحان لے لیں۔

انہوں نے فرمایا کہ بڑا مشکل امتحان ہے۔ اس میں تین پرچے ہوں گے اور ہر ایک میں امتحان لے لیں۔ انہوں نے فرمایا کہ بڑا مشکل امتحان ہے۔ اس میں تین پرچے ہوں گے اور ہر ایک میں سو فیصد نمبر لینے پڑیں گے۔ بولو کیا تمہیں منظور ہے۔ میں نے عرض کیا کہ سب کچھ منظور ہے جب دوستی کرنا ہی ہے تو پھر سو پرچے لے لو۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ کیا امتحان کے لئے تیار ہو۔ میں نے کہا تیار ہوں تو انہوں نے کہا شطرنج کھیلنا آتی ہے۔ میں نے کہا کہ آتی ہے۔ اس پر انہوں نے اپنے اردلی کو آواز دی کہ شطرنج لے کر آؤ۔ مزے کی بات یہ ہے کہ رسالدار صاحب کی وردی کی ایک پٹی ابھی اتری تھی اور دوسری بدستور بندھی ہوئی تھی۔ اردلی نے شطرنج لا کر بچھادی تو آپ نے کہا کہ یہ پہلا پرچہ ہے۔ اگر تم مجھ سے جیت گئے تو سمجھو کہ پاس ہو گئے۔ تم بھلا میرے ساتھ کیا کھیلو گے میں تو اپنی یونٹ کا چیمپئن ہوں۔ میں نے کہا تم فوجی لوگ آپس میں ہی کھیل کر چیمپئن بن جاتے ہوں کسی باہر والے سے واسطہ پڑے تو پتا چل جائے کہ کتنے پانی میں ہو۔ چنانچہ کھیل شروع ہو گیا اور میں نوٹ کرتا رہا کہ ان کے کھیلنے کا انداز کیا ہے۔ پہلی گیم رسالدار صاحب جیت گئے اور کہنے لگے کہ تم تو ہار گئے۔ میں نے کہا تین گیم کھیلنے کا اصول ہے اگر تم ایک بازی اور جیت جاؤ تو میں اپنی شکست تسلیم کر لوں گا۔ پھر کھیل شروع ہو گیا تو میں دوسری اور پھر تیسری گیم بھی جیت گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم پاس ہو' اچھا کھیلتے ہو اور کھیلو۔ مزید دو بازیاں لگیں اور وہ بھی میں نے جیت لیں۔ شطرنج ختم ہوئی تو میں نے کہا لایئے دوسرا پرچہ کونسا ہے۔ اس پر رسالدار صاحب نے فرمایا کہ غالب کو جانتے ہو۔ میں نے کہا کہ آپ نے تو صرف اس کا نام ہی سنا ہو گا میں تو دلی کا رہنے والا ہوں غالب کے باپ دادا کو بھی جانتا ہوں۔ آپ نے کہا اچھا تم غالب کے دیوان کا جو پہلا شعر ہے (نقش فریادی ہے ۔۔۔۔) اس کا مطلب بیان کرو۔ اس پر

ں نے اس شعر کی تشریح بیان کی تو کہنے لگے کہ اس شعر میں غالب نے انسان کے بارے میں راز
جو بات کہی ہے وہ بتاؤ' جب میں نے اس کی تفصیل بھی بتادی تو خوش ہو کر فرمایا کہ واقعی تم تو
سے بھی زیادہ جانتے ہو۔ اس زمانے میں تو غالب اور اقبال کے اشعار ویسے بھی ہمیں نوک
ں تھے۔ میں نے کہا کہ نمبر بتائیں تو فرمایا سو فیصد پاس۔ میں نے عرض کیا کہ اب لایئے تیسرا
چہ اس پر آپ نے فرمایا کہ تیسرا پرچہ یہ ہے کہ کبھی پیار بھی کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کبھی کا
ا مطلب ہم نے تو زندگی پیار میں ہی گذاری ہے۔ اس پر آپ نے تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں
کرلیں اور فرمایا کہ واقعی تم تو سراپا پیار ہو۔ لاؤ ہاتھ ملاؤ آج سے ہماری اور آپ کی دوستی ہو
ں۔

دوستی تو ہو گئی لیکن مرشدؒ نے جو مدت خالی پھرنے کی ارشاد فرمائی تھی وہ ابھی پوری نہیں
ئی تھی۔ ہم روزانہ ان کے گھر مجلس جماتے۔ دنیا بھر کی اور فقیری کی باتیں ہوتیں۔ وہ مجھے
ئی جان کہتے میں انہیں بھائی جان کہتا اور وقت خوب گذرنے لگا۔ وہ ملنے والوں کے لئے
ائیں کرتے اور خوب مٹھائی چلتی۔ یہ مٹھائی کھانے کی عادت مجھے رسالدار صاحب نے ڈالی وہ
ں کے بہت شوقین تھے۔ خوب مزے کی محفل ہوتی۔ لیکن میرے کام کی بات نہ ہوتی۔ آپ
ل کے فقیر تھے اور آپ کا انداز بھی انوکھا تھا۔ کوئی حاجت مند دعا کے لئے کہتا کہ اولاد نرینہ
لئے دعا فرمادیں تو کہتے جاؤ ہم نے تمہیں بیٹا دے دیا۔ کوئی مقدمے میں کامیابی کے لئے عرض
تا تو کہتے جاؤ ہم نے تمہیں بری کر دیا۔ مجھے یہ بات اچھی نہ لگی اور ایک دن میں نے کہہ دیا کہ
ئی جان ہم نے بہت سے بزرگوں اور پیروں کو دیکھا ہے لیکن اس طرح تو کوئی نہیں کہتا۔ بعض
دعا کی قبولیت کا یقین بھی ہو جاتا ہے پھر بھی یہی فرماتے ہیں کہ جاؤ اللہ کے فضل سے کام ہو
ئے گا۔ یہ کونسا انداز ہے کہ جاؤ میں نے یہ کر دیا میں نے وہ کر دیا۔ وہ تو سن کر گرم ہو گئے اور
یا۔

انصاری صاحب! آپ نے ولی اللہ دیکھے ہوں گے' پیر اور بزرگ دیکھے ہوں گے آپ نے
ئی فقیر نہیں دیکھا۔ میں تو فقیر ہوں۔ میں ایسے ہی کہوں گا آپ جو جی چاہے کرلیں۔ میں نے
جوڑ دیئے اور کہا کہ بابا جو جی چاہے کرو میں کچھ نہیں کہتا۔ انہوں نے میرے ساتھ بھی ایک

مرتبہ ایسے ہی کیا۔ ہوا یوں کہ کچھ دنوں بعد میں نے کہا کہ بھائی جان دعا کریں کہ اب واپس د
چلا جاؤں۔ بچے وہاں ہیں اور میں یہاں پڑا ہوں، دو جگہ کا خرچہ مشکل سے پورا ہو رہا ہے
انہوں نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم واپس چلے جاؤ۔ چند دن بعد ہی ہمارے ہیڈ کوارٹر سے سرکار
حکم آگیا کہ ہمارے آدمی دہلی واپس بھیج دیں۔ شام کو میں نے رسالدار صاحب کو بتایا کہ لو
اکیلے یہاں ڈگڈگی بجانا کیونکہ میں تو واپس جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اتنی جلدی تم کیسے واپ
جاسکتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہمارے بارے میں سگنل آگیا ہے اب تو جانا ہی ہے۔ انہوں نے کہا
میں دیکھوں گا کہ تجھے کون واپس بھیجتا ہے۔ اگلے روز معلوم ہوا کہ بلگام والوں نے ہیڈ کوا
والوں کو سگنل دیا ہے کہ ابھی یہ افراد فارغ نہیں کئے جاسکتے اور جو کام ابھی باقی ہے اس
تفصیل خط میں لکھ کر بھیج رہے ہیں۔ اس طرح واپسی کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ چند دن بعد
نے دوبارہ رسالدار صاحب سے گذارش کی کہ مجھے واپس بھجوا دیں۔ کہنے لگے کہ ٹھیک
تمہیں واقعی اب واپس جانا چاہئے تم اب چلے جاؤ۔ ہماری یونٹ کا جب تفصیلی خط ہیڈ کوارٹر
تو انہوں نے دوبارہ سگنل دیا کہ جو کام باقی رہ گیا ہے وہ یہاں دہلی میں آکر بھی کیا جاسکتا ہے
لئے ہمارے آدمی فوراً بھیج دیئے جائیں۔ میں بڑا خوش خوش شام کو رسالدار صاحب کے پاس
اور واپسی کا ذکر کرنے ہی لگا تھا کہ وہ بڑے جلال کے ساتھ گویا ہوئے کہ بھائی جان اگر آج
نے مجھے چھیڑا تو خدا کی قسم تم ساری عمر یہاں ہی رہو گے یہاں ہی مرو گے اور یہاں ہی تمہاری
بنے گی۔ چلو چھیڑو' میں نے کہا کہ نہیں بابا میں آپ کو بالکل نہیں چھیڑوں گا۔ اس پر آپ
بڑے پیار سے فرمایا کہ کل تم چلے جاؤ میں تمہیں ملنے کے لئے دہلی آیا کروں گا۔ میں تمہیں و
کرنے کل نہیں آؤنگا۔ تم ابھی مجھے مل لو کیونکہ میں تمہیں جاتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ م
اگلے روز دہلی چلا گیا اور وہ اپنی تربیت مکمل کرنے کے بعد بنوں چلے گئے"۔

☆ اس قسط میں ہم نے حضرت رسالدار صاحب" کا تعارف اور قبلہ حضرت الف
صاحب" سے آپ کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ انشاء اللہ اگلی قسط میں ان کے بقیہ حالات' کیفیات
ملفوظات سے ہم اپنے قارئین کو محظوظ کریں گے۔ (ادارہ)

حقیقت وحدۃ الوجود

مرتب۔ وقاص سرور

بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اس دور کے عظیم صوفی، محقق اور مجددانہ صلاحیتوں کے حامل بزرگ تھے۔ آپ نے سلسلہ کی بنیاد مسلمانوں کو صحیح اسلامی تصوف سکھانے کی خاطر رکھی۔ چنانچہ اب ہر طالب حقیقت آپ کی تلقین کی ہوئی تعلیمات پہ عمل کرتے ہوئے بہت جلد قرب باری تعالیٰ اور دیدار باری تعالیٰ جیسی بیمثال نعمتیں حاصل کر سکتا ہے۔ دوران سلوک مشاہدہ کے دوران اکثر طالبان حق کو غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں، لہٰذا آپ نے انکی سہولت کیلئے ایک کتاب "حقیقت وحدۃ الوجود" تحریر فرمائی تاکہ اللہ کے عاشق اپنے محبوب تک باسانی پہنچ سکیں۔ بارہویں صدی عیسوی میں مسلم صوفیاء میں ایک عقیدہ "وحدۃ الوجود" پیدا ہوا۔ اس عقیدہ کے بانی حضرت ابن عربیؒ تھے۔ چونکہ یہ نظریہ قرآنی تعلیمات سے ٹکراتا تھا لہٰذا اس وقت کے علماء نے آپ پہ کفر کا فتویٰ عائد کر دیا۔ آپ کے روحانی مشاہدہ اور فلسفہ کائنات کا نچوڑ یہ تھا کہ ساری کائنات ایک وجود ہے اور یہی خدا ہے۔ مطلب یہ کہ خالق و مخلوق جداگانہ وجود نہیں رکھتے یعنی تمام کائنات کی سب اشیاء ایک ہی وجود کی مختلف شکلیں اور روپ ہیں۔ اس میں خالق و مخلوق میں فرق کرنا بے حد دشوار تھا۔ حالانکہ قرآن کریم خالق و مخلوق کو دو الگ ذاتیں قرار دیتا ہے اس عقیدے کا رد حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا اور مجدد صاحبؒ کی تائید بانی سلسلہ توحیدیہؒ نے اپنے ذاتی مشاہدہ سے فرمائی۔

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اپنی تصنیف میں فرماتے ہیں کہ "میں 1911ء میں جب کہ میری عمر اٹھارہ سال تھی خاندان نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوا اور سات آٹھ سال کی سخت اور متواتر جدوجہد کے بعد نقشبندیہ سلوک پورا کر لیا۔ اس سلوک سے طبیعت میں انکسار، تورع اور کشف و کرامات تو حاصل ہو گئیں لیکن جس مقصد کے لئے بیعت ہوا تھا وہ حاصل نہ ہوا یعنی رویت باری تعالیٰ حاصل نہ ہوئی۔ اس کے بعد خاندان چشتیہ میں بیعت کی اور پانچ چھ سال میں یہ سلوک بھی طے کر لیا۔ اس سلوک سے طبیعت میں لطافت، اخلاق میں شیرینی، حسن اور جمالیات کا ادراک اور عشق و محبت کا سوز و گداز تو میسر آ گیا۔ لیکن رویت باری تعالیٰ یہاں بھی عنقا ہی رہی۔ اس کے بعد اور کسی سلسلہ میں بیعت تو نہ ہوا مگر قادریہ اور دوسرے کئی سلسلوں کے سلوک کا مطالعہ بالاستیعاب کیا۔ لیکن رویت کے حصول کا وہاں بھی کوئی ذکر نہ تھا۔ اب میں خاموش ہو کر بیٹھ گیا اور کسی لطیفہ غیبی کا منتظر رہا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور ایک بزرگ سے ملاقات کرا دی، یہ حضرت اویسی تھے نہ خود کسی سے بیعت تھے نہ بیعت فرماتے تھے اس لئے بیعت تو نہ ہو سکا لیکن بیس پچیس سال ان سے فیض کثیر ملتا رہا اب میں فیض تو ان سے لیتا تھا لیکن ذکر و فکر وغیرہ اپنے اسی پرانے سلسلے نقشبندیہ کا کرتا تھا۔ اس مرتبہ سلوک عجیب طرح سے طے ہوا۔ یعنی ناسوت سے ذات بحت تک سارے راستے گردو پیش کے ماحول کو دیکھتا اور سمجھتا ہوا گزرا یعنی پہلے دوزخ کے طبقات دیکھے پھر علی الترتیب اعراف، ملکوت، جبروت، لاہوت اور ہاہوت کی جنتوں کی سیر کرتا ہوا ھو کے نچلے طبقے میں داخل ہوا۔ یہاں مجھ پر وحدت الوجود کی کیفیت طاری ہوئی۔ یہ وہی کیفیت ہے جس کو جناب ابن عربیؒ صاحب نے حقیقت فرمایا ہے۔ الحمد للہ کہ میں نے یہاں زیادہ قیام نہیں کیا ورنہ میں بھی وجودی ہو کر رہ جاتا۔ جب میں ھو کی اوپر والی سطح پر پہنچا تو وہاں وہ کیفیت نظر آئی جس کو مجدد صاحبؒ نے ظلیت کہا ہے۔ یہاں سے بھی

جلدی ہی نجات مل گئی اس کے بعد میں کچھ عرصہ عدم میں رہا۔ لیکن برابر آگے بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ عدم کو پار کر کے عالم امر میں داخل ہو گیا اور آخر کار 26-27 برس کی متواتر کوشش کے بعد 1953ء میں اپنے مقصد حیات سے ہمکنار ہوا۔ الحمد للہ جو چاہتا تھا مل گیا۔

یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے بخدا اس لئے نہیں لکھا کہ پڑھنے والوں پر اپنی بزرگی اور روحانیت و عرفان کا رعب ڈالوں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وحدت الوجود کی حقیقت بغیر مشاہدے کے معلوم نہیں ہو سکتی اس کو وہی شخص اچھی طرح بیان کر سکتا ہے جس نے خود دیکھا اور سمجھا ہو' حضرت ابن عربیؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جو کچھ دیکھا اور سمجھا اور بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے میں مجبور تھا کہ قارئین کو وحدت الوجود کی حقیقت کماحقہ سمجھانے کے لئے وہ بھی لکھ دوں جو میں نے دیکھا اور سمجھا ہے اس سے کم یا زیادہ میری اور کوئی غرض نہیں ہے میں نام و نمود اور شہرت سے کوسوں دور بھاگتا ہوں اور سچ تو یہ ہے کہ میں اگر اس چیز کا طالب ہوتا تو ذات بحت تک پہنچ ہی نہ سکتا راستہ ہی میں رہ جاتا۔

اس مجلّہ میں ہم قبلہ انصاری صاحبؒ کی تصنیف "حقیقت وحدۃ الوجود" کا آخری حصہ درج کرتے ہیں جس سے وحدۃ الوجود کے مسئلے کو سمجھنے میں قارئین کو بے حد مدد ملے گی۔

"سلوک کے لفظی معنی ہیں سفر کرنے کے' لیکن تصوف کی اصطلاح میں سلوک کہتے ہیں روح کے سفر کو جو وہ سالک کی ذات سے خدا کی ذات تک طے کرتی ہے۔ اس باب میں ہم یہ بتائیں گے کہ روح اس سفر میں کن کن طبقات و عوالم میں سے گذرتی ہے اور کیا کیا کچھ دیکھتی یا محسوس کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی بتائیں گے کہ روح کی ماہیت کیا ہے اور وہ کس شکل میں یہ سفر طے کرتی ہے یہ دونوں باتیں ہم بہت مختصر طور پر بیان کریں گے مفصل دیکھنا ہو تو ہماری کتاب "تعمیر ملت" میں ملاحظہ فرمائیں۔

روح کا سفر اس مادی عالم یعنی کرہ زمین سے شروع ہو کر عرش کبریا پر اس جگہ ختم ہوتا ہے جہاں سالک کو اللہ کی ذات بحت کا عرفان ہوتا ہے جس میں نہ کوئی رنگ و بو ہے' نہ امتداد ہیں' نہ کوئی صفت ہے اور جس کی بابت وہ خود قرآن میں ارشاد فرماتا ہے

سبحان ربک رب العزہ عما یصفون O

(پاک ہے وہ ذات تمام صفات سے) اس سفر میں کرہ زمین سے چل کر سب سے پہلے دوزخوں کا طبقہ آتا ہے اس کے بعد اعراف ہے' پھر جنتوں کے طبقات شروع ہوتے ہیں جن میں پہلا عالم ملکوت کہلاتا ہے دوسرا جبروت' تیسرا لاہوت' چوتھا ھاہوت اور پانچواں ھو۔ دوزخ کے طبقات سے عالم ھو کے آخر تک عالم مثال کہلاتا ہے اس کے بعد عالم امر شروع ہوتا ہے جس میں بے شمار لطائف ہیں مگر قابل ذکر صرف یہ لطائف ہیں۔ پہلے لطیفہ عدم ہے پھر لطیفہ نفس' پھر لطیفہ عقل اور اس کے بعد لطیفہ روح ہے۔ ان لطائف سے آگے حوالی عرش کا علاقہ ہے پھر عرش مجید ہے جس کے عین مرکز میں سالک کو ذات بحت کا مشاہدہ اور عرفان ہوتا ہے اسی جگہ سالک کا سفر روح ختم ہو جاتا ہے اور وہ عارف کامل اور ولی مکمل بن جاتا ہے۔ یہاں یہ بات ضرور یاد رکھئے کہ ہر سالک جو یہ سفر شروع کرتا ہے ذات بحت تک نہیں پہنچ سکتا۔ لاکھوں میں سے ایک دو کو یہ درجہ اور سعادت نصیب ہوتی ہے۔ باقی سالکوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقام محمود تک پہنچ کر رک جاتا ہے کسی کا مقام محمود ملکوت میں ہوتا ہے کسی کا جبروت میں' کسی کا ھاہوت میں اور کسی کا ھو میں۔

اب کچھ تھوڑا سا حال ہر ایک طبقہ کا بیان کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین کے دماغ میں ایک نقشہ یا خاکہ ان تمام طبقات کا قائم ہو جائے اور جو کچھ لکھا جا رہا ہے اس کے سمجھنے میں مدد ملے۔

کرہ زمین کی اشیاء کا علم یا احساس ہم کو حواس خمسہ کے ذریعے ہوتا ہے لیکن خالص مادی اشیاء کے علاوہ فضا میں کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا علم ہمیں عقل و تجربہ سے حاصل ہوا ہے مثلاً "سب سے پہلے تو ہوا ہے اور اس میں بھی کئی گیسیں اور پانی ہے' کئی طرح کی شعاعیں اور لہریں ہیں مثلاً "وائلٹ ریز' کاسمک ریز' ریڈیائی لہریں اور مائیکرو ویز وغیرہ۔ ان کے علاوہ مقناطیسی لہریں یا قوت کشش' حرارت اور ایتھر وغیرہ بھی ہیں یہ سب چیزیں اس طرح ایک دوسرے کے اندر سموئی ہوئی ہیں کہ ہر لحاظ سے ایک وجود کہلانے کی مستحق ہیں لیکن سب اپنا اپنا ایک حقیقی اور الگ وجود رکھتی ہیں اور اپنا اپنا کام کرتی رہتی ہیں۔ فضا کے بعد خلاء ہے سائنس دان کہتے ہیں کہ خلاء میں کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ لیکن ایک مسلمان قرآن میں دی ہوئی خبروں کے مطابق اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ اس فضاء اور خلاء میں اوپر بیان کردہ اشیاء کے علاوہ اور بھی بے شمار چیزیں موجود ہیں۔

اتنی بات تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ خدا کی طرف سے زمین پر ہزاروں بلکہ ان گنت احکام ہر وقت نازل ہوتے رہتے ہیں اور بے شمار فرشتے جو نظام عالم کو قائم رکھنے کے لئے مقرر ہیں۔ ان احکام کی تعمیل کرنے کے لئے ہر وقت زمین پر اترتے اور آسمان کی طرف چڑھتے رہتے ہیں۔ اس طرح بے شمار فرشتے اس فضاء اور خلا میں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ مرنے والوں کی روحیں بھی عالم روحانی یا برزخ کو جاتے ہوئے یہیں سے گذرتی ہیں۔ قرآن میں ہے

والنزعت غرقا ○ فالنشطت نشطا ○ والسبحت سبحا ○ فالسبقت سبقا ○ فالمدبرات

امرا

(قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو غوطہ لگا کر کھینچتے ہیں اور قسم ہے ان کی جو آسانی سے کھول دیتے ہیں اور ان کی جو (فضا میں) تیرتے پھرتے ہیں' پھر لپک کر آگے بڑھتے ہیں اور تدبیر کے ساتھ دنیا کے کاموں کا انصرام کرتے ہیں) ان آیات میں فرشتوں کا ذکر ہے۔ فرشتے کیا ہیں؟ فرشتے خدا کے کارندے ہیں۔ یہ دراصل طاقتیں ہیں جو کائنات کا انتظام کرنے اور نظام قائم رکھنے کے لئے اللہ نے پیدا کی ہیں۔ کائنات اور ہماری دنیا کے کام بے شمار ہیں اس لئے ان فرشتوں کی قسموں اور تعداد کا بھی کوئی شمار نہیں۔ ان آیات میں مفسرین نے پہلی آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ "قسم ہے ان فرشتوں کی جو کافروں اور گنہگاروں کی جان سختی سے نکالتے ہیں" دوسری آیت کی تفسیر ہے "وہ فرشتے جو مومنوں کی جان آسانی سے نکالتے ہیں" بلاشبہ یہ دونوں باتیں بھی بالکل درست ہو سکتی ہیں لیکن فرشتوں کے کرنے کے لئے صرف یہی دو کام تو نہیں اور ہزاروں کام بھی ہیں۔ ہمارے اوپر ان دو آیات کے عجیب سے معنی منکشوف ہوئے ہیں جو اب تک کسی نے نہیں لکھے۔ پہلی آیت کا مطلب یہ کھلا ہے کہ یہاں وہ فرشتے یا طاقتیں مراد ہیں جو زمین کے چاروں طرف کی فضا میں سے غوطہ مار کر زمین کے مرکز کی طرف جاتے رہتے ہیں آپ نے دیکھا ہو گا کہ جب کوئی شخص بلندی سے دریا کی طرف کودتا ہے اور غوطہ مار کر تہہ کی طرف جاتا ہے بعینہ یہی حالت ان فرشتوں کی غوطہ مارنے کے وقت بھی پیش آتی ہے کہ زمین کے اردگرد فضاء میں جو اور چیزیں یا طاقتیں ہیں وہ زمین کی سطح سے ٹکراتی ہیں اور یہ عمل چونکہ متواتر ہوتا رہتا ہے اس لئے زمین کی سطح پر فضاء کا دباؤ ہر وقت پڑتا اور قائم رہتا ہے اور اسی کو سائنس دان کشش ثقل کہتے ہیں۔ دوسری آیت کے معنی ہماری سمجھ

میں یہ آئے ہیں کہ یہ فرشتے وہ ہیں جو زمین میں بیج کو شگفتہ کرتے ہیں' درخت میں کلی کو پھول بناتے ہیں۔ پتھروں کو چٹخا چٹخا کر ریت بناتے اور شہاب ثاقب کے مادی ایٹموں کو توڑ کر انرجی میں تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ باقی آیات کا مطلب صاف ہے کہ یہ فرشتے فضاء اور خلا میں تیرتے رہتے ہیں اور خدائی احکام جو اوپر سے نازل ہوتے رہتے ہیں انکو وصول کرنے کے لئے دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں اور وصول کرنے کے بعد خدا کی بتائی ہوئی تدبیر کے مطابق اس کی تکمیل کردیتے ہیں۔

زمین کے بعد دوزخ کا عالم ہے اس کی وسعت کا علم صرف اللہ ہی کو ہے کوئی انسان اسکا اندازہ بھی نہیں کر سکتا' آپ چاہیں تو اسے ایک ہی طبقہ سمجھ لیں لیکن ہم نے اپنے دوران سلوک میں جو کچھ دیکھا اور سمجھا ہے عذاب کی نمایاں کمی بیشی کے لحاظ سے اس کو بہتر 72 طبقات میں تقسیم کردیا ہے۔ دوزخ کا عالم خالصتاً روحانی ہے اسی وجہ سے نہ ہم کو نظر آسکتا ہے نہ کسی اور طریقہ سے محسوس و مدرک ہو سکتا ہے' البتہ سالکان راہ حقیقت کی روحیں جو عرش کی طرف جاتی ہوئی یہاں سے گذرتی ہیں ان میں سے اکثر اس کو دیکھتی اور محسوس کرتی ہیں۔ جنتی لوگوں کی روحیں جو مرنے کے بعد جنت میں جاتی ہیں انکو بھی دوزخ میں سے گذرنا پڑتا ہے لیکن ان کو یہاں کی تکالیف کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہوتا۔ سورہ مریم آیت 71 میں ہے

وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا

"یعنی تم میں سے ہر ایک کو دوزخ میں جانا ہے یہ تمہارے رب کا اٹل فیصلہ ہے" اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ دوزخ زمین اور جنت کے درمیان واقع ہے (یہیں سے پل صراط کا عقیدہ پیدا ہوا ہے)

شاید کوئی کہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ روح دوزخ میں سے گذرے اور تکلیف نہ ہو تو ہم اسکے جواب میں ایک بہت واضح مثال پیش کرتے ہیں آپ نے اخبارات میں پڑھا ہو گا کہ روس اور امریکہ کے خلائی مسافر جب راکٹ والے جہاز میں بیٹھ کر خلاء میں جاتے ہیں تو وہاں پہنچنے کے بعد خلاء پیما کبھی کبھی کمر میں رسی باندھ کر جس کا دوسرا سرا جہاز میں بندھا ہوتا ہے' جہاز سے باہر نکل آتے ہیں اور جہاز کے ساتھ بے تکلفی سے اڑتے چلے جاتے ہیں اور ان کو مطلق کوئی تکلیف نہیں ہوتی حالانکہ جہاز ہزاروں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ان کو تکلیف کیوں نہیں ہوتی' محض اس وجہ سے کہ وہ ایک خاص قسم کا لباس (پریشر سوٹ) پہن کر خلائی سفر کرتے ہیں ان کی نیکیاں ان کے جسم کے گرد ایک ایسے لباس کی شکل اختیار کرلیتی ہیں کہ دوزخ کی آگ ان کے جسم پر مطلق اثر نہیں کرتی۔ کیا اس سیدھی اور سچی مثال کو دیکھ کر بھی آپ اپنے لئے نیکیوں کا وہ لباس مہیا کرنے کی کوشش نہیں کریں گے جو آپ کو دوزخ کی آگ اور دوسری تکالیف سے محفوظ رکھے اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ "تقویٰ کا لباس سب سے اچھا لباس ہے"

عام لوگ خیال کرتے ہیں کہ دوزخ میں ہر جگہ صرف آگ ہی آگ ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ ان لوگوں کا یہ خیال درست نہیں دوزخ میں تو مثلاً ہماری زمین کے چٹیل اور بنجر میدانوں' بے برگ و گیاہ بیابانوں' ریگستانوں اور جلے و سوکھے پہاڑوں جیسے طبقات ہیں جہاں کھانے کو خاردار جھاڑیاں اور تھوہر وغیرہ اور پینے کو سخت کڑوے اور گرم پانی کے سوا اور بے ہی کچھ نہیں (دیکھئے قرآن اور حدیث نبوی) انہی طبقات میں جابجا آگ کے بڑے بڑے قطعے بھی ہیں بالکل اسی طرح جس طرح ہماری زمین پر کہیں کہیں آتش فشاں پہاڑ ہیں۔ جن روحوں کو صرف دوزخ کی سزا ہوتی ہے وہ آگ میں پھینک دی جاتی ہیں' بعض روحوں کو دونوں سزائیں ملتی ہیں

دیکھئے سورۃ البروج کی دسویں آیت جس میں بتایا گیا ہے کہ

الذین فتنوا المومنین والمومنت ثم لم یتوبو فلهم عذاب جهنم ولهم عذاب الحریق

"جن لوگوں نے مومنوں اور مومنات کو تکلیفیں دیں اور پھر توبہ نہیں کی تو ان کو دوہرا عذاب ہے جہنم کا ی آگ کا بھی" آپ سوچیں کہ آپ نے تو کسی مومن اور مومنہ کو تکلیف نہیں دی۔ اگر دی ہے تو اس سے افی مانگیں کیونکہ یہ حقوق العباد میں شامل ہے، خدا اس کو معاف نہیں کرے گا۔

دوزخ کا سب سے نچلا طبقہ زمین سے ملا ہوا ہے۔ اس طبقہ میں سب سے زیادہ سخت اور شدید عذاب ہے۔ فر، مشرکین اور بہت ہی زیادہ سیاہ کار مسلمانوں کی روحیں یہاں عذاب بھگت رہی ہیں۔ اس سے اوپر کے طبقہ ں نسبتاً کم عذاب ہے اور پہلے طبقہ والوں کی بہ نسبت کچھ اچھے اخلاق والے کافر و مشرک اور پہلوں سے کم گناہ ر مسلمانوں کی روحیں یہاں رہتی ہیں۔ اس طرح جتنے اوپر کی طرف چلیں عذاب کم ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ سب ے آخری طبقہ میں معمولی سی آسائشیں اور معمولی قسم کی تکلیفیں دونوں ملی جلی ہیں" یہ طبقہ دوزخ کے آخری رے پر ہے اور اس کے بعد ایک دیوار ہے جس کا نام اعراف ہے"۔ دیکھئے سورہ اعراف

وبینهما حجاب وعلی الاعراف رجال یعرفون کلا بسیمهم ونادوا اصحب الجنته ان سلم علیکم لم یدخلوها وهم یطمعون

یہاں دوزخ ختم ہو جاتا ہے اعراف کے بعد جنتوں کے عوالم شروع ہوتے ہیں جو نیچے سے اوپر کی طرف بق بر طبق عالم ہو تک چلے گئے ہیں۔ سالک کی روح انہی طبقات میں سے گذرتی ہوئی اوپر چڑھتی ہے جیسا کہ سورہ انشقاق میں ہے لترکبن طبقا عن طبق "تم کو چڑھنا ہے طبق طبق کر کے" یہ جنتیں بھی بجائے خود ایک کائنات ہیں جو زمین و آسمان کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ دیکھئے سورہ آل عمران آیت 133

وسارعوا الی مغفره من ربکم وجنته عرضها السموت والارض اعدت للمتقین

اور الحدید آیت 21

سابقوا الی مغفره من ربکم وجنته عرضها کعرض السماء والارض اعدت للذین امنوا بالله ورسله ذلک فضل الله یوتیه من یشا والله ذوالفضل العظیم

جنتوں کا پہلا طبقہ عالم ملکوت کہلاتا ہے اس کو ہم نے نیک اعمال کے تفاوت کے لحاظ سے 36 خیالی طبقوں میں تقسیم کیا ہے دوسرے عالم کا نام جبروت اور تیسرے کا لاھوت ہے ان دونوں میں 18-18 طبقات ہیں۔ ملکوت کا جو طبقہ اعراف سے ملا ہوا ہے اس میں معمولی مسلمانوں کے لئے معمولی قسم کی جنتیں ہیں۔ اس سے اوپر کا طبقہ کچھ بہتر اور تیسرا طبقہ دوسرے سے اور چوتھا تیسرے سے کچھ بہتر ہے۔ وقس علی ہذا۔ چھتیسویں طبقے کی جنتیں پچھلے تمام طبقات سے بہتر اور اعلیٰ ہیں۔ یہ اعلیٰ درجے کے مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اس کے بعد عالم جبروت شروع ہوتا ہے۔ جبروت کے شروع ہوتے ہی منظر بالکل بدل جاتا ہے۔ یہاں کی جنتیں شان و شوکت، آرام و آسائش، باغات و انہار اور حور و قصور کے لحاظ سے ملکوت کی جنتوں سے کہیں زیادہ بہتر اور حسین ہیں۔ یہاں بڑے متقی، متورع، عابد و زاہد اولیاء اور مومنوں کے محلات ہیں۔ اس کے بعد لاھوت ہے۔ ان جنتوں کا تو کہنا ہی کیا یہ تو حسن و خوبی،

نفاست و نزاکت' نعائم و لذائذ اور کوائف کے لحاظ سے قطعاً مثالی بلکہ خیالی معلوم ہوتی ہیں یہاں بہت سے مرتبت مومن اولیا' اصفیاء' صدیق اور شہیدوں کی روحیں رہتی ہیں۔

لاھوت کے بعد ھاھوت کا عالم ہے۔ اس کے چودہ طبقات ہیں۔ یہاں پہلے ہی طبقہ سے صور و اشکال ا قدر باریک' دھندلی اور لطیف ہو جاتی ہیں کہ مشکل ہی سے نظر آتی ہیں اور دو چار طبق آگے نکلنے کے بعد تو ان نام و نشان بھی نہیں رہتا صرف معنویت ہی معنویت رہ جاتی ہے یہاں سے جو کچھ مکشوف و مشہود ہونا شروع ہو ہے وہ دنیا کی کسی زبان میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ھاھوت کے بعد عالم ھو ہے۔ اس کو طبقات میں تقسیم کرنا ممک ہے۔ یہ نور جیسی ایک شے کا ناپیدا کنار سمندر ہے۔ جس کو خدا دکھانا چاہے وہ یہاں بھی بہت کچھ دیکھتا ہے' لیک جو کچھ مکشوف و مشہود ہوتا ہے وہ بھی بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس عالم کو مثلاً ہماری زمین کی فضاء کے طور پر سمج چاہئے کہ جیسے فضا میں اگرچہ بہت کچھ ہے مگر نظر نہیں آتا' ہاں عقل و تجربہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اسی طرح میں بھی بہ ظاہر کچھ نظر نہیں آتا لیکن کشف اور دل کی آنکھ سے بہت کچھ دکھائی دیتا ہے اور معلوم ہو جاتا لیکن اگر ہم اس کو بیان کریں تو کسی کو سمجھ میں نہیں آئے گا کیونکہ ہماری دنیا میں ان چیزوں کی مثالیں موجود نہی ہیں۔ جن سالکوں کی روحیں یہاں زیادہ عرصہ قیام کرتی ہیں ان کو بہت کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ دوزخ سے ھو انتہا تک جو عالم ہے وہ عالم مثال کہلاتا ہے۔

ھو کے بعد بالکل ہی ایک نیا عالم شروع ہوتا ہے جس کا نام عالم امر ہے اس کا پہلا طبقہ یا لطیفہ عدم کہلا ہے۔ یہاں بھی مطلقاً کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو نظر آسکے یا عقل و تجربہ سے معلوم ہو سکے اس کو آپ مثلاً " ا سمجھ لیں جیسا کہ ہماری فضا کے اوپر خلا ہے۔ عدم دراصل ایک تخریبی یا منفی قوت ہے بسیط شکل میں عدم کے بع نفس بسیط' پھر عقل بسیط ہے' پھر روح بسیط کے لطائف ہیں۔ روح کے بعد سواد عرش ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی ذا تجلیات ظاہر ہو کر تمام عالم میں ہر وقت جاری و ساری رہتی ہیں۔ اس کے بعد عرش اعظم ہے یہ ذاتی تجلیات کا عا ہے اور اسی کے مرکز میں اللہ تعالیٰ کی وہ ذات بحت مشہود ہوتی ہے جس میں نہ کوئی رنگ ہے' نہ نور' نہ کوئ صفت' اس کا مطلب آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ ذات بحت یہاں کسی خاص مقام یا علاقے میں مقید و محدود ہے مطلق نہیں۔ وہ ذات تو اپنی تمام صفات و بے صفاتی کے ساتھ کائنات کے ذرہ ذرہ میں موجود ہے لیکن سالک ک اس کا مشاہدہ یا عرفان اسی مقام پر حاصل ہوتا ہے۔ یہ ہے ایک معمولی اور سادہ سا خاکہ ان عوالم کا جن میں سے گذر کر سالک کی روح اپنے مقام محمود یا ذات بحت تک پہنچتی ہے۔

اب کچھ حال روح کا بھی سن لیجئے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ روح کوئی محدود جسم والی ایسی چیز ہے جو بدن سے نکل کر گیند کی طرح یا کسی پرندے کی طرح آزاد ہو جاتی ہے اور ادھر ادھر اڑتی پھرتی ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔ روح کی مثال تو ایک شعاع کی سی ہے جس کی اوپر کی چوٹی ہر وقت خدا کے ہاتھ میں رہتی ہے اور نیچ کا سرا انسان کے دماغ میں پیوست ہو کر بدن کے ہر ذرہ پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے

وما من دابه الا هو اخذ بنا صيتها

"یعنی کوئی جاندار ایسا نہیں جس کو اللہ نے اسکی چوٹی سے نہ پکڑ رکھا ہو"

یہ ایک ایسا واسطہ خدا کا اپنے بندے کے ساتھ ہے جو کسی دوسرے بندے کے ساتھ نہیں ہے۔ حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ خدا سے ملنے کے کتنے راستے ہیں' فرمایا کہ جتنے جاندار اس دنیا میں پیدا ہو چکے

ہیں یا آئندہ ہوں گے اتنے ہی راستے ہیں" یہاں حضرت حسن بصریؒ کی مراد یہی روحانی شعاعیں ہیں۔ یہ شعاع نان کنڈکٹر ہے اور ہمیشہ قائم رہتی ہے یہ اس قدر چمکدار اور سریع السیر ہے کہ ایک سیکنڈ میں تمام کائنات کا چکر لگا کر پھر اپنی جگہ پر آجاتی ہے۔ اس شعاع کے ہر ذرہ میں اس انسان کا ایک پیکر مثالی یا ہم زاد موجود ہوتا ہے جو ہو بہو اسی کی شکل کا ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ عالم روحانی میں جتنا اوپر کی طرف بڑھو ہر جسم پچھلے جسم سے چھوٹا اور لطیف تر ہوتا جاتا ہے در حقیقت یہ ایک جسم کے بے انتہا شئی ہیں۔ ان کی بابت نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہت سے جسم ہیں نہ یہ کہ یہ سب ایک جسم ہے۔ اس کا صحیح علم صرف مشاہدہ کرنے والوں کو ہو سکتا ہے۔ کتابوں میں کتنا ہی کھول کھول کر سمجھایا جائے مشکل ہی سے کچھ سمجھ میں آتا ہے' تاہم ایک تصور دماغ میں قائم ہو جاتا ہے جو تفکر کرنے والوں کی خاصی رہنمائی کر سکتا ہے۔ قارئین کرام سے گذارش ہے کہ روح کی پوزیشن سمجھانے کے لئے ہم نے جو مثال سینما ہال کی دی ہے اس موقع پر یادداشت تازہ کرنے کے لئے اسے دوبارہ پڑھ کر اچھی طرح سمجھ لیں تو یہ مضمون اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا۔

اب یہ تو معلوم ہو گیا کہ انسان یا سالک کی ذات سے خدا کی ذات تک کون کون سے طبقات و عوالم موجود ہیں اور ان میں اس کی روح کس طرح قائم ہے۔ اب جاننا چاہئے کہ روح کی ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ انسان کے اعمال سے فوراً" متاثر ہوتی ہے اگر انسان برے کام کرے تو پہلے اس کا قلب' پھر نفس متاثر ہوتا ہے اور نفس کا اثر براہ راست روح پر پڑتا ہے اور روح ایک قسم کی کمزوری اور نقاہت محسوس کرتی ہے۔ اب اگر وہ آدمی متواتر برے کام ہی کرتا رہے تو روح کمزور ہوتے ہوتے بہت ہی زیادہ نحیف ہو جاتی ہے اس کا رنگ جو نور جیسا روشن ہے سیاہ پڑتا جاتا ہے' اس کی لطافت کثافت میں بدلتی جاتی ہے اور آخر کار وہ کوڑھیوں کی طرح مجروح اور داغدار ہوتے ہوتے بالکل مسخ اور مفلوج ہو جاتی ہے اور کثیف اور بھاری ہونے کی وجہ سے عالم ارواح میں اوپر کی طرف پرواز نہیں کر سکتی اور بے حس و حرکت ہو کر دوزخ کے طبقہ میں گر پڑتی ہے اور جب تک جل جل کر بالکل پاک اور لطیف نہ ہو جائے آگے نہیں بڑھ سکتی' یہی سزائے دوزخ ہے۔ برخلاف ازیں جو آدمی نیک کام کرتا ہے اسکی روح طاقتور' ہلکی اور لطیف ہوتی جاتی ہے اور جتنا وہ نیک ہوتا ہے اسی نسبت سے روحانی شعاع جنت کے کسی طبقہ تک پہنچ کر وہاں کے نعائم سے لطف اندوز ہوتی ہے اس بات کو زیادہ اچھی طرح سمجھانے کے لئے ہم راہ سلوک کے ایک مسافر یعنی سالک کی روح کا بیان کرتے ہیں کہ اس کی نیکی اور اسکا ذکر و فکر کس طرح اس کی روح پر اثر کرتے ہیں اور وہ کس طرح آگے ترقی کرتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ کچھ عرصہ تک باقاعدہ ذکر کرنے اور مرشد کی توجہ کا اثر دل و دماغ پر پڑنے کے بعد سالک کے قلب میں ایک خاص قسم کا سوز اور گرمی پیدا ہو جاتی ہے رفتہ رفتہ اس گرمی کا اثر سالک کے نفس پر پڑتا ہے۔ اس وقت سالک پر ایک نہایت ہی پر کیف بے خودی طاری ہونے لگتی ہے اسی بے خودی کو جذب کہتے ہیں یہی وہ حالت ہے جس میں سالک سے عجیب و غریب قسم کی کرامات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ نفس کے گرم ہوتے ہی روح بھی گرما جاتی ہے اور کیف و بے خودی سے سرشار رہنے لگتی ہے لیکن سالک کی ذات سے باری تعالیٰ کی ذات تک روح کی ساری شعاع گرم نہیں ہوتی بلکہ اس کا تھوڑا سا حصہ گرم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کچھ مدت میں دوزخ میں سے جو حصہ گذرتا ہے وہ سارے کا سارا گرم ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جتنا حصہ گرم ہوتا ہے وہ بیدار اور باخبر یا زندہ ہو جاتا ہے یعنی اس گرم حصے میں سالک کے جتنے شئی یا ہمزاد ہیں وہ سب جاگ پڑتے ہیں اور ہر وقت اللہ کی حمد و صلوۃ میں مصروف

رہتے ہیں۔ اس گرمی کی مثال بجلی سے دی جا سکتی ہے کہ جب اس کو تانبے کے مردہ تار میں داخل کر دیا جاتا ہے تو وہ تار زندہ ہو جاتا ہے اور اس سے ہزاروں کام لیے جا سکتے ہیں۔

روح کا وہ حصہ جو دوزخ میں سے گذرتا ہے جب بیدار ہو جاتا ہے تو اکثر سالکوں کو دوزخ کے مختلف مقامات کے نظارے سوتے یا جاگتے میں دکھائی دیتے ہیں۔ کوئی دوزخ کے لق و دق میدانوں' بے آب و گیاہ بیابانوں اور سوکھے خشک کالے پہاڑوں کا نظارہ کرتا ہے' کسی کو آگ کا عذاب ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ بعض سالکوں کو ایسے بھیانک منظر دکھائی دیتے ہیں جو وہ برداشت بھی نہیں کر سکتے۔

اسکے بعد جب روحانی شعاع کا وہ حصہ بیدار ہوتا ہے جو ملکوت کی جنتوں میں سے گذرتا ہے تو سالک کو ان جنتوں کی سیر ہونے لگتی ہے۔ یہاں طرح طرح کے قیمتی پتھروں کے محل' پھلوں اور پھولوں سے لدے ہوئے گھنے باغات' نہریں' چشمے' رنگ برنگ کے پرند اور چوپائے وغیرہ نظر آتے ہیں۔ حور و قصور کے علاوہ اس کو اپنے مرے ہوئے بزرگوں اور دوست احباب کی روحیں بھی ملتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد جبروت کا عالم ہے' جب سالک کی روح کا وہ حصہ جو اس عالم میں سے گذرتا ہے ذکر کی حرارت سے گرم ہو جاتا ہے اور اس میں سالک کے جو شمعیں ہیں وہ بیدار ہو جاتے ہیں تو اس عالم کی سیر ہونے لگتی ہے۔ جبروت کی جنتیں ملکوت کی جنتوں سے کہیں زیادہ خوبصورت اور نفیس و نازک ہیں اگر ملکوت کی جنتوں کے قصر قیمتی اور رنگ برنگ پتھروں سے بنے ہوئے ہیں تو یہاں کے قصر سونے چاندی اور دوسری قیمتی دھاتوں سے بنے ہوئے ہیں۔ عالم جبرت کے بعد عالم لاھوت ہے جہاں پر خوبصورتی' لطافت و نزاکت جیسا کہ پیچھے بتایا جا چکا ہے انتہائے کمال کو پہنچ گئی ہے۔ یہاں کے باغات سبزے کے سدا بہار پھولوں سے لدے ہوئے قطعات' ندیاں' نہریں' چشمے اور خوش الحان پرند ہر لحاظ سے بے مثال اور بے نظیر ہیں۔ یہاں کے قصر جواہرات سے بنے ہوئے ہیں یہاں عابدوں' صدیقوں' شہیدوں اور بڑے عالی مرتبت اولیائے کرام کی روحیں مقیم ہیں۔ ان سب طبقات کی خوبصورتی اور لطافت و نزاکت کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں۔ ہم نے تھوڑا بہت اس لئے لکھ دیا ہے کہ پڑھنے والوں کے دماغ میں ایک تصور قائم ہو جائے۔

لاہوت کے بعد ھاھوت ہے۔ جب سالک کی روح کا وہ حصہ جو یہاں سے گذرتا ہے زندہ ہو جاتا ہے تو اس کو بالکل ہی نیا منظر دکھائی دیتا ہے جو دوران سلوک میں پہلے کہیں دکھائی نہیں دیا۔ اس طبقہ میں صورتیں اور شکلیں اس قدر لطیف ہو جاتی ہیں کہ ایک بہت ہی باریک تحریر کی مانند نظر آتی ہیں۔ اوپر سے نیچے اور دائیں سے بائیں تک ایک ہلکا ہلکا سفید غبار (نور) سا نظر آتا ہے اور اس میں جو محلات و باغات اور جاندار وغیرہ دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی صورتیں اور شکلیں خیالی اور موہوم جیسی لیکن بے انتہا حسین نظر آتی ہیں۔ اگر آپ کو کسی پہاڑ پر برسات گذارنے کا موقع ملا ہے تو آپ نے دیکھا ہو گا کہ جب بادل زمین پر اتر آتے ہیں اور گھروں میں گھس جاتے ہیں تو ان میں سے نظر آنے والی عمارتیں اور جاندار بالکل دھندلے دھندلے مگر بہت زیادہ خوبصورت دکھائی دیتے ہیں بعینہ یہی نظارہ ھاھوت کی ابتدائی منزلوں میں ہوتا ہے اس کے بعد جوں جوں آگے بڑھتے ہیں صور و اشکال اور بھی زیادہ دھندلی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ آخری منزل میں بالکل ہی غائب ہو جاتی ہیں اور ایک ہلکے ہلکے نور کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صورتیں اور شکلیں وہیں موجود ہوتی ہیں مگر اتنی لطیف ہو جاتی ہیں کہ نظر نہیں آتیں لیکن جن اولیائے کرام اور عارفین عظام کی بصیرت بہت زیادہ ہوتی ہے وہ بہت کچھ دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں۔

ھاھوت سے آگے ھو کا عالم ہے۔ یہاں صورتوں اور شکلوں کا شائبہ تک بھی نہیں رہتا۔ صرف ایک نور جیسی چیز ہوتی ہے جو اوپر سے نیچے اور دائیں سے بائیں جہاں تک نظر جا سکتی ہے دکھائی دیتی ہے یہ نہ سمجھے کہ صورتیں اور شکلیں یہاں موجود ہی نہیں یقیناً موجود ہیں اور اس قدر زیادہ ہیں کہ سارا عالم ان سے معمور ہے۔ لیکن وہ بال سے بھی کہیں زیادہ باریک و نازک اور اس قدر لطیف ہیں کہ صرف انہی بزرگوں کو نظر آ سکتی ہیں جن کو اللہ نے بہت ہی زیادہ روحانی بصیرت عطا فرمائی ہو۔ چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ کو خدا نے ایسی ہی بصیرت عطا فرمائی تھی۔ جب وہ ھاھوت طے کر کے اس عالم میں داخل ہوئے تو پچھلے تمام عوالم (جن کو وہ طے کر آئے تھے) کے مقابلہ میں یہاں کی لامحدودیت 'یک رنگی اور لطافت کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور اس نظارے سے اس قدر سکون و کیف اور فرحت ان کو حاصل ہوئی کہ آگے قدم نہ بڑھا سکے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ عرصہ دراز تک یہیں رہنے کے بعد جب ان کی روحانی آنکھ عادی ہو گئی تو رفتہ رفتہ ان کو یہاں کی ارواح اور فرشتوں کی شکلیں اور صورتیں بھی نظر آنے لگیں اور وہ یہ سمجھے کہ یہ (ھو) ذات احدیت ہے اور اسی میں سے تمام صورتیں اور شکلیں ظہور پذیر ہوتی اور اسفل کی طرف نزول کرتی ہیں یہاں تک کہ مادی عالم میں پہنچ کر ایسی ٹھوس اور جامد نظر آتی ہیں جیسا کہ ہم دنیا والے ان کو دیکھتے یا محسوس کرتے ہیں۔

یہاں یہ یاد رکھنا بے حد ضروری ہے کہ یہ اشیاء جو یہاں نظر آتی ہیں وہ دیکھنے والے کے لئے پہلے بالکل معدوم یعنی اخفیٰ کی حالت میں ہوتی ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ ابھرتی اور موہوم سی نظر آتی ہیں۔ (یہ ان کی خفی کی حالت ہے) پھر جب وہ اور زیادہ جلا پاتی ہیں تو رفتہ رفتہ پوری طرح مجلی اور متجلی ہو کر (روحانی آنکھ کو) نظر آنے لگتی ہیں۔ اس سے جناب ابن عربیؒ نے یہ نتیجہ نکالا کہ جو نور نظر آتا ہے یہی ذات احدیت ہے اور کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں سب اسی ذات سے پیدا ہوتی ہیں اور اسفل کی طرف نزول کرتے کرتے آخر میں اس قدر کثیف ہو جاتی ہیں کہ مادی عالم میں پہنچ کر مادی کہلاتی ہیں۔ اس طرح کے ظہور اشیاء کو حضرت ابن عربیؒ نے تجلی کا نام دیا اور دراصل یہی نام ہے بھی سب سے مناسب اور صحیح کیونکہ تجلی صرف روشن ہو جانے کو نہیں کہتے بلکہ جو چیزیں نظر آتی ہیں یا جو خیالات دماغ میں موہوم سے ہوتے ہیں وہ اگر صاف صاف دکھائی دینے لگیں یا سمجھ میں آ جائیں تو اس کو بھی جلا یا تجلی کہتے ہیں (مثلاً "ایک بہت ہی باریک عبارت کو جلی قلم سے لکھ دینا)۔ الغرض اس وجہ سے حضرت ابن عربیؒ نے وحدت الوجود کا نظریہ قائم کیا اور دعویٰ کر دیا کہ وجود ایک ہے اور وہی خدا ہے اور جو اشیاء ہم کو دکھائی دیتی یا محسوس ہوتی ہیں وہ سب اسی وجود کی تجلیات اور عین ہیں یعنی یہ سب کچھ مل کر ایک وجود ہے اور وہی خدا ہے اور یہ اسی طرح ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ناظرین سے التماس ہے کہ اس کے پانچویں باب میں ہم نے مادہ پرستوں اور وجودیوں کے اقوال کا جو مقابلہ کیا ہے ایک بار پھر اس کو دیکھ لیں۔ آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ دونوں ایک ہی بات کہتے ہیں' صرف الفاظ کا الٹ پھیر ہے۔ اب ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی بقول خود اسی مقام پر کچھ عرصہ مقیم اور حضرت ابن عربیؒ کی طرح وحدت الوجود کے قائل رہے لیکن جب اور اوپر چڑھے اور ھو کے اوپر والے کنارے کے قریب پہنچے تو وہ وحدت الوجود کے منکر ہو گئے اور یہ سمجھے کہ مخلوقات خدا کی ذات کا ظل (سایہ) ہے۔ وہ ایسا کیوں سمجھے 'اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک سالک ھو کے نیچے والے کنارے کے قریب رہتا ہے تو وہ اوپر سے آنے والی ارواح اور احکام خداوندی کو اپنے ہی ارد گرد ابھرتا ہوا محسوس کرتا ہے اور یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ یہ سب چیزیں یہیں پیدا ہو کر نیچے کے عوالم کی طرف نزول کرتی ہیں

جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ حضرت ابن عربیؒ نے بھی یہی سمجھ لیا تھا لیکن جب وہ ترقی کرتا اور اوپر کو اٹھتا ہوا ھو کے اوپر والے کنارے کے قریب پہنچتا ہے تو یہی ارواح اور احکام خداوندی اس کو اوپر سے آتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور چونکہ یہ سب شعاعوں کی شکل میں ہوتے ہیں اور اس کثرت اور تواتر سے نازل ہوتے ہیں جیسے کہ بارش یا سورج کی کرنیں اوپر سے گرتی ہیں۔ اب وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ سب مخلوقات ذات کا ظل یا سایہ ہے جیسے کہ دھوپ سورج کا سایہ یا ظل ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے سمجھ لیا کہ مخلوقات ذات باری تعالیٰ کا سایہ ہے۔

یہاں قارئین کے دل میں یہ وسوسہ آنا چاہئے کہ جب ھو کے اوپر عدم کا عالم ہے تو یہ ارواح و احکام وغیرہ عدم میں معدوم ہو کر ھو میں داخل ہوتے ہی کس طرح منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہ وسوسہ بالکل بجا ہے اور حق بھی یہی ہے۔ بات یہ ہے کہ عدم خود ایک طرح کا وجود ہے جس کا خاصہ تخریب و فنا ہے۔ یہ ارواح وغیرہ جب یہاں پہنچتی ہیں تو یہ خاصہ تخریب اپنی بساط کے مطابق جذب کر لیتی ہیں اور فنا ہو جاتی ہیں یعنی عدمیت کا وجود اختیار کر لیتی ہیں مگر جب ھو میں نزول کرتی ہیں تو پھر اپنا پہلا وجود اختیار کر لیتی ہیں لیکن اب اس وجود میں عدمیت کا خاصہ شامل ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ارواح وغیرہ اگر عدم میں سے نہ گذرتیں تو عالم مادی میں آ کر نہ ان میں کوئی خرابی پیدا ہوتی نہ ان کو موت آتی۔ غالب نے اسی بات کو یوں کہا ہے

میری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

یہ بات اس دریا کی مثال سے بھی کچھ کچھ متصور ہو سکتی ہے جو کھلے میدان میں بہتا ہوا کسی بڑے ریگستان میں داخل ہوتا اور کچھ دور جا کر غائب ہو جاتا ہے لیکن دس بیس میل کے بعد پھر ظاہر ہو جاتا ہے

ہم نے اس مشکل ترین حقیقت کو آسان ترین الفاظ میں بیان کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ خدا جانے آپ کو سمجھ میں کچھ آیا ہے یا نہیں بہر حال جو سالک یہاں تک پہنچتے ہیں اگر انہوں نے ہماری یہ کتاب اور خاص کر یہ بیان پڑھ لیا ہے تو ان کو سلوک طے کرنے میں بڑی آسانی ہو گی اور وہ کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں گے۔

ھو سے آگے عدم اور اس سے آگے عالم امر ہے یعنی جو اشیاء یا ارواح عالم مادی میں پیدا ہونے والی ہیں ان سب کی مثالی صورتیں مع تمام جزئیات کے ابھی اللہ تعالیٰ کے ذہن میں ہیں اور نزول کر رہی ہیں۔ کوئی ولی، نبی یا فرشتہ ان کا حال نہیں جان سکتا عالم امر کے آگے عرش اور عرش کے مرکز میں اللہ کی ذات احدیت ہے جب حضرت مجدد الف ثانیؒ اس مقام مقدس پر پہنچے تو اصل حقیقت ان کی سمجھ میں آ گئی اور انہوں نے دیکھ لیا کہ اللہ اللہ ہے اور مخلوق مخلوق ہے۔ یہ دو وجود ہیں ایک وجود کا نظریہ یا عقیدہ غلط ہے اور وہ بے اختیار پکار اٹھے

اللہ خالق کل شیی وھو الواحد القہار

"اللہ ہی نے تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر لحاظ سے واحد ہے اور سب پر غالب ہے"

☆☆☆☆----☆☆☆☆----☆☆☆☆

دین اور مخلوق

محمد مرتضیٰ توحیدی

میں ان لوگوں سے مخاطب ہوں جو محمد ﷺ کو اپنا نبی نہیں مانتے۔ آخر وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ اپنی جان کو کس کے حوالے اور کیا کرنا چاہتے ہیں۔ وقت نکلتا چلا جا رہا ہے۔ دنیاوی مفاد پر دین کے مفاد کو ترجیح نہیں دیتے۔ آخر کیوں۔ کیا جب سے آدمی اس دنیا میں تشریف لایا ہے نہ معلوم کتنے سالوں سے یہ دنیا آباد ہے جو یہاں آتا ہے جاتا بھی ہے کوئی ایسا انسان نہیں ہے جو آیا ہو اور گیا نہ ہو۔ میرا خیال ہے کہ ایسا سوچنا بھی گناہ سے خالی نہیں ہے۔ کیا ہمیں گناہوں سے بچنے کے لئے نہیں کہا گیا۔ دنیا کے جتنے مذہب ہیں وہ ہر بری چیز کو برا کہتے ہیں اور ہر اچھی چیز کو اچھا کہتے ہیں۔ اس پر تو سبھی اتفاق کرتے ہیں لیکن جب ایمان لانے کی بات ہوتی ہے۔ تو ایک طرف ہو جاتے ہیں دنیاوی مصلحتیں درمیان میں آجاتی ہیں۔ اپنے بزرگوں کا خیال آجاتا ہے۔ دوسروں کا خیال آجاتا ہے۔ کیا دوسرے آپکے ساتھ قبر میں جاتے ہیں۔ کیا دوسرے اللہ سے آپکی وکالت کرتے۔ وہاں کس سے وکالت کریں گے۔ وہ اللہ ہے۔ سب کچھ جاننے والا ہے۔ دنیا کے تمام علوم و فنون کی ابتدا اور انتہا اس سے ہے وہاں پر وکالت نہیں چل سکتی۔

بالکل سیدھی بات ہے کہ اللہ کے دین کی طرف آجاؤ۔ اللہ کی اس کے رسول کی بات مان لو۔ قرآن کو مان لو۔ نبی کی سنتوں کو مان لو تمہارا بیڑا پار ہو جائے گا۔ اللہ کے سامنے سرخرو ہو جاؤ گے۔ کدھر بھٹکے چلے جا رہے ہو۔ کبھی عیسائی ہو جاتے ہو۔ کبھی کچھ اور ہو جاتے ہو۔ آخر کیوں؟ کیا تمہارے پاس اس کی کوئی سند ہے۔ یا یہ صرف تم اپنی مجبوری کے تحت کرتے ہو۔ کبھی معاشی حالت کی، کبھی عزت و وقار کی کمی، کبھی معاشرے میں اچھے مقام کی ثروت، کبھی ملکوں کی مدد، دیکھو نکل آؤ اندھیرے سے روشنی کی طرف۔ جب سے دنیا قائم ہے بدی ہی کو زوال ہے۔ اللہ قرآن میں واضح طریقہ سے فرماتا ہے۔ غالب وہ ہے کبھی کسی قوم کو ترقی دے دیتا ہے اور کبھی اس کو منہ کے بل زمین بوس کر دیتا ہے ہم لوگوں کے سامنے ایسی کئی مثالیں ہیں۔ جرمنی کو ہی لے لیں، برطانیہ کو لے لیں، جاپان کو لے لیں، روس کو لے لیں، انکو کیا ہوا اپنی طاقت کے بل پر ساری دنیا پر حکومت

کرتے کرتے ایک دم دھڑام سے نیچے آ گری۔ روس کا یہ عالم تھا کہ سارے یورپ اور ایشیاء پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ ہمارے ملک میں ایسے لوگ تھے جو روزانہ پیشین گوئیاں کرتے تھے کہ بس اب روس گرم پانی تک پہنچنے والا ہے۔ کیا ہوا وہ بالکل کمزور ملک صرف ایمان کے بل بوتے پر روس کا حشر نشر کرکے رکھدیا اور ایسا کردیا کہ وہ آج تک اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکا۔ روس کو چاہیے کہ وہ پرانے ہتھیار کو چھوڑ کر ایمان کے ہتھیار کو استعمال کرے۔ اللہ اور رسول کا پیروکار بن جائے اور خانہ کعبہ کو اپنی جبینوں سے سجادے' روشنی کا مینار اپنے اندر پیدا کرلے' دنیا کو روندنے کی نہیں بلکہ اللہ کے دین کو سارے عالم میں پھیلانے کا تہیہ کرلے۔ لوگوں کی خدمت کا جذبہ لے کر آگے کی طرف بڑھتے چلے جاؤ تمہیں گرم پانی بھی مل جائے گا اور قلبی سکون بھی مل جائے گا اور آخرت میں ہولناک آگ سے بچنے کا پروانہ بھی مل جائے گا۔

کلام پاک میں موجود ہے کہ یہودی ہو' عیسائی ہو اگر وہ دنیا میں فساد نہیں کریں گے اور نیک عمل کریں گے تو ان کو معاف کردیا جائے گا اس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہئے بلکہ یہ سوچ لینا چاہئے کہ دنیا میں اللہ اور رسول پر ایمان نہ لانا ہی سب سے بڑا فساد ہے اور ایمان لانا ہی سب سے بڑی نیکی ہے۔ اس کے بعد کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی قرآن کو سمجھنے کے لئے بھی ایک صاف دل اور دماغ کی ضرورت ہے اور وہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے کہ دل و دماغ سے ہر چیز کو نکال کر اللہ سے یکسوئی کے ساتھ رہنمائی مانگی جائے۔ اللہ تعالیٰ رہنمائی ضرور دیتا ہے آپ مانگ کر تو دیکھیں۔

اس دنیا میں امن و سکون کے لئے ایک ہی دین ضامن ہو سکتا ہے۔ کئی دین' کئی قومیں اور کئی سسٹمز ضامن نہیں ہو سکتے۔ اس دنیا میں ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے ہر انسان سکون کی تلاش میں ہے۔ سکون کی تلاش میں ہونے کے باوجود حقیقت کی طرف نہیں آ رہا ہے سکون کے لئے اپنا سسٹم ضرور ڈالنا چاہتا ہے۔ اللہ کے دین کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔ جب کہ یہ انسان بہت اچھی طرح جانتا ہے کہ میں نے ایک دن مرنا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے جتنے لوگ آئے ان کو موت نے دبوچ لیا اور اسے بھی اس حال سے دوچار ہونا ہے۔ بھاگنے سے تو جان نہیں بچ سکتی۔ بھاگنا ہی ہے تو دین کی طرف بھاگو' اللہ کی طرف بھاگو' رسول کی طرف بھاگو۔ دنیا کی تمام نعمتیں آپ کی طرف خودبخود

بھاگتی ہوئی آئیں گی اور آپ ان سے فائدہ اٹھایئے۔

عیسائیوں کو ابھی دنیا پر فوقیت حاصل ہے لیکن کب تک' وہ دن دور نہیں جب تمام عیسائیوں کو دین حق قبول کرنا ہو گا' نبی پاک اور قرآن پاک پر ایمان لانا ہو گا اور بیت اللہ شریف کو اپنی جبینوں سے سجانا ہو گا۔ آج کل جتنے مسلمان ہیں ان کی (Origin) تو بت پرستی سے جا کر ملتی ہے۔ زید علیہ رحمت جو عمر فاروقؓ کے چچا تھے اور نبی پاک ﷺ سے بھی ملے تھے لیکن اس وقت تک نبوت کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ خانہ کعبہ کی دیواروں سے ٹیک لگا کر بیٹھا کرتے تھے اور اکثر کہا کرتے تھے کہ صرف واحد ایک زید ہے جو دین ابراہیمی پر قائم ہے۔ باقی سب چھوڑ گئے اس وقت بھی انہیں اتنی تکلیف تھی۔ کرب تھا کہ دین ابراہیمی کے لئے تڑپ رہے تھے۔ وہی دین ابراہیمی تو ہے جو نبی پاک ﷺ لے کر آئے اور اس دین سے انکار کیوں کرتے ہو۔ تمہارے پاس کوئی جواز نہیں۔ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان برے ہیں دنیا کے معاملے میں نہیں ہیں ان میں اتحاد نہیں ہے اور بات بات پر دین کے اوپر لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں اس لڑنے جھگڑنے میں تمہارا بھی ہاتھ ہے تم اپنے اندر جھانک کر دیکھو کیا ایسا نہیں ہے۔ فی زمانہ عراق اور ایران کو کس نے لڑایا' ایران کے خلاف تو نے عراق کی مدد کی۔ عراق کو کویت پر دوڑا دیا۔ پھر عراق کے خلاف ہو گئے اور اس کو روند ڈالا اور آج تک تم یہی کچھ کر رہے ہو یہ تمہاری سیاست ہے دنیاداری ہے لیکن اللہ اس کو بہت قریب سے دیکھ رہا ہے سب سے زیادہ قریب سے دیکھ رہا ہے عراق کو بھی مار پڑنے کی وجہ عراق کو معلوم ہے میں تمام عیسائیوں کو دعوت دیتا ہوں کہ دین اسلام کی طرف لپکیں۔ اس کو فوقیت دیں اس کے لئے کام کریں' بیت اللہ شریف کی افادیت اجاگر کریں' اس کو اپنی جبینوں سے سجائیں' خود بھی فلاح پائیں اور دوسری قوموں کو بھی فلاح کی دعوت دیں۔ سب مل کر ایک دین کے حامی ہو جائیں۔ سب اللہ اور اس کے آخری رسول کے ماننے والے ہو جائیں اللہ رحم کرے گا۔ تم کامیاب ہو گے اور ساری دنیا میں کامیاب ہو گے۔ اور اگر ایسا نہ کیا تو جان لو ایک دن بہت بڑی شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ اور وہ شرمندگی دائمی ہو گی۔ (جاری ہے)

تعلیم و تزکیہ

(سید ابوبکر غزنویؒ)

میں نے اس آیت پر گذشتہ ہفتوں میں کچھ باتیں عرض کی تھیں۔ یہ وضاحت کی تھی کہ حضور ﷺ نے جو کام سرانجام دیا اس کا خلاصہ اس آیت میں بیان ہوا ہے۔ سورہ الجمعہ میں آل عمران میں، دو جگہ سورۃ البقرہ میں انہی باتوں کو دہرایا گیا ہے اور ان کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

حضور ﷺ تزکیہ فرماتے ہیں اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ جو لوگ حضور ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دعوت الی اللہ کا کام کرنا چاہتے ہیں انہیں اپنی تمام توجہ، تمام توانائی اور کوشش اسی بات پر صرف کرنی چاہئے کہ یہ باتیں حاصل ہو جائیں میں جو تشریح پچھلے ہفتوں میں کرتا رہا وہ ایجابی تھی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کے جو سلبی پہلو ہیں (منفی پہلو) ان کی بھی نشان دہی کی جائے۔ عوام کی جو بہت سی گمراہیاں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قرآن نے جو کسوٹیاں بتائی ہیں ان کسوٹیوں کو چھوڑ کر اپنی کسوٹیاں بنالیتے ہیں۔ داعی اللہ کی صفات تو یہی ہونی چاہئیں جو میں بیان کر رہا ہوں کہ وہ قرآن کی آیتوں کو کھول کھول کر وقت کے فرعونوں سے بے خوف ہو کر وقت کے نمرودوں سے نڈر ہو کر تمیں پارے معاشرے کے سامنے پیش کرے۔ اپنا تزکیہ کرے اپنے دل کی سیاہیاں دھوئے۔ معاشرے کا تزکیہ کرے۔ خود کتاب و حکمت کا علم حاصل کرے اور لوگوں کو قرآن اور سنت کی تعلیم دے۔ انسان کی گمراہی یہ ہے کہ یہ کسوٹیاں چھوڑ کر دنیا جہان کے معیار ٹھہرائے۔ اگر کوئی معیار پیش نظر نہیں رہتا تو وہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا معیار ہے۔ کس قدر شیطان انسان کو بہکاتا ہے۔ بعض لوگ سادگی سے کہتے ہیں کہ میں فلاں پیر کا مرید ہوں۔ بڑی بھاری گدی ہے۔

دوستو! یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کسوٹی تو وہی ہے جو پچھلے کئی ہفتوں سے بیان کر رہا ہوں۔ جیسے قرآن نے بار بار بیان کیا ہے۔

مریدوں کی کثرت قرآنی نقطہ نظر سے شیخ کی حقانیت کی دلیل نہیں۔ قرآن مجید میں تو یہ لکھا ہے واکثرھم للحق کارھون۔ انسانوں کو کیا ہو گیا ہے ان میں سے اکثر کو حق بات ناگوار گزرتی ہے۔ واکثرھم لا یعقلون۔ ان میں سے اکثر عقل سے کام ہی نہیں لیتے۔ واکثرھم الفاسقون۔ اکثر لوگ

ہیں جو سرکش ہو گئے ہیں۔ سورہ ہود کو پڑھیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔
امن معہ الا قلیل۔ بہت کم لوگ تھے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے وہ تو اولوالعزم پیغمبر
تھے۔ ان کا مقام اولیاء سے اونچا تھا اور اکثریت نے انہیں جھٹلا دیا۔ اگر قرب و ولایت کا معیار یہی
ہے کہ وہاں خلقت کا ہجوم ہوتا ہے تو حضرت نوح علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کے بارے میں تم
کیا کہو گے؟ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا۔ انی دعوت قومی لیلا ونہارا فلم یزدھم دعائی
فرارا۔ میں دن رات اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلاتا رہا میں جس قدر اپنی قوم کو پکارتا رہا وہ مجھ سے
بھاگتے چلے گئے۔

جعلوا اصابعھم فی اذانھم واستغشوا ثیابھم واصروا واستکبروا استکبارا۔ جب وہ
اللہ کی طرف بلاتے تھے تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے کہ ان کی آواز ہمارے کانوں میں نہ
آئے اپنے منہ پر کپڑے ڈال لیتے تھے کہ ان کا چہرہ نظر نہ آئے۔ پھر اصرار کیا اور انتہائی تکبر دکھائی کہ
ہم تمہاری بات نہیں مانتے۔ کہاں گئی وہ کسوٹی اور وہ معیار کہ جو جتنا بڑا ولی ہو گا اس کے پاس اسی
قدر ہجوم زیادہ ہو گا۔ بل سولت لکم انفسکم۔ یہ بات تو تم نے اپنے جی میں گھڑ لی ہے۔ جی سے
کسوٹیاں نہیں گھڑنی چاہیں۔ اس سے آدمی بھٹکتا ہے' گمراہ ہوتا ہے' دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ اس
شیخ کے پاس بیٹھنے سے تزکیہ ہوتا ہے؟ قرآن و حدیث کا فہم حاصل ہوتا ہے؟ قرآن و حدیث کی بات
کرتا ہے کہ من گھڑت قصے سناتا ہے؟ میں سوچ رہا تھا کہ یار لوگوں نے کتنے الٹے سیدھے معیار اپنے
جی سے گھڑ لیے ہیں۔

اس آیت پر غور کیجئے۔ یہ نہیں کہا کہ یسخرھم کیا مشکل تھا کہ جہاں یہ کہہ دیا یزکیھم وہ
ان کا تزکیہ فرماتے ہیں ساتھ کہہ دیتے۔ ویسخرھم ویتصرف فی قلوبھم۔۔ وہ ان کی تسخیر کرتے ہیں
اور ان کے دلوں میں تصرف کرتے ہیں۔ تسخیر کا عمل اگر کوئی خوبی کی بات ہوتی تو تیس پاروں میں
ایک جگہ ہی فرما دیتے۔ جہاں بار بار قرآن نے کہا' "یزکیھم" وہ انہیں پاک کرتے ہیں۔ ویعلمھم'
ان کو علم بخشتے ہیں۔ ایک دفعہ یہ بھی فرما دیتے۔ ویسخرھم۔ ان کو مسخر کرتے ہیں یہ کہیں نہیں
فرمایا دوستو!

تصرف اور تسخیر کا عمل تو اہل مغرب بھی کرتے ہیں۔ یہ ہپناٹزم اور مسمریزم بھی تو تسخیر ہی کا

عمل ہے۔ یہ قوت ارادی ہے WILL POWER کی مشق کی بات ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ "فتوحات مکیہ" میں اسے ہمت باطنیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس بات کاللّٰہیت اور تقویٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید تیس پاروں میں کہیں نہیں کہتا و سخرھم۔ یہ کسوٹی نہ تھی۔ یہ بڑے غور کی بات ہے۔ تصرف کرنا کسی کے وجود میں یہ جوگیوں کو بھی حاصل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ جوگیوں کو بھی تصرف حاصل ہوتا ہے۔

یہ نہیں کہا۔ و یعلم مافی صدورھم۔ یہ ان کے دلوں کے سارے بھید جان لیتا ہے اہل اللہ کو بھی کشف ہوتا ہے مگر قرآن اسے کسوٹی نہیں ٹھہراتا۔ اس لئے کہ جوگیوں کو بھی کشف ہوتا ہے۔ جب جوگیوں کو بھی کشف ہوتا ہے تو کشف ولایت کی کسوٹی کیوں کر ہوا دوستو کاہنوں کو بھی کشف ہوتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک کاہن جس کا نام ابن صیاد تھا اسے کشف ہوتا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے جی میں ایک سورۃ کا نام رکھا ہے اور ابن صیاد سے کہا بتاؤ کونسی سورۃ ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے جی میں سورۃ الدخان رکھی تھی۔ اس نے کہا الدخ الدخ۔ آپ نے فرمایا "اخساء فلن تعد وقدرک" تو ذلیل ہو تو اپنی حدود سے آگے نہ بڑھ سکے گا۔ دوستو کشف اولیاء اللہ کو بھی ہوتا ہے اور جوگیوں کو بھی ہوتا ہے۔ فرشتوں کا کشف شیطان کو بھی جنگ بدر میں ہوا تھا۔ قرآن مجید میں ہے۔ انی اری مالا ترون۔ مجھے وہ لشکر اترتے ہوئے نظر آرہے ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے۔ یہ کہہ کر وہاں سے بھاگا۔ یہ بات سوچنے کی ہے کہ اگر کشف کسوٹی ہے ولایت کی تو قرآن میں لکھا ہے کہ شیطان کو وہ کشف ہوا تھا جو صحابہ کو نہیں ہوا تھا۔ تو کیا شیطان کو ولی اللہ مان لیں گے؟ یہ کچی باتیں ہیں۔

ذرا غور کیجئے۔ جو گندا ہو، غلیظ ہو، جس کے کپڑے میلے کچیلے ہوں۔ عقل اس کی کام نہ کرتی ہو۔ کہتے ہیں یہ ولی ہے۔ قرآن بار بار کہتا ہے واللہ یحب المطھرین۔ اللہ تعالیٰ پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ ذہن صاف ہونا چاہیے۔ یا تو کہہ دیجئے کہ کتاب کو اوپر رکھ دو۔ ہم نہیں مانتے اس کتاب کو۔ اگر ماننا کتاب اللہ کو ہی ہے تو وہ بار بار کہتا ہے۔ واللہ یحب المطھرین۔ اللہ پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے "النظافۃ من الایمان" صاف ستھرا رہ

کی نشانی ہے۔ گندگی سے نفرت ہونا ایمان کی نشانی ہے۔ کتنی بڑی غلط فہمی ہے۔ کہتے ہیں اس بدن کا ہوش نہیں۔

دوستو! اگر تن بدن کا ہوش نہ ہونا خوبی کی بات ہوتی تو سب پیغمبر مدہوش ہوتے۔ مگر کوئی پیغمبر ش نہ تھا۔ تمام پیغمبر باہوش تھے۔ یاد رکھئے۔ یہ کیمم کا عمل وہی شخص کر سکتا ہے جو خود باہوش دوسروں کا تزکیہ کرنے کے لئے ہوش و آگہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کتاب و حکمت کو سمجھنے لئے عقل و ہوش کی ضرورت ہے۔ اور دوسروں کو سمجھانے کے لئے اس سے زیادہ عقل و کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ قرآنی نقطہ نظر سے پاک صاف رہنا' و آگہی کی حالت میں ہونا مدہوش ہونے سے افضل ہے۔

میں انکار نہیں کرتا۔ میں خود تصوف کا طالب علم ہوں۔ اس راستے سے گذرا ہوں' جس ایک ادنیٰ طالب علم گذرتا ہے۔ میں مجذوب کو بھی مانتا ہوں۔ مجذوب کون ہے؟ مجذوب وہ سلوک کے مقامات طے کرتے ہوئے راستے میں کسی مقام کی تجلی اس پر پڑے اور اس کی لوح پہنچ جائے اس کو مجذوب کہتے ہیں۔ مجذوب کا معنی ہے وہ آدمی جس کو کھینچ لیا گیا ہو۔

دوستو! وہ لوگ اس راستے سے ناواقف ہیں جو سرے سے مانتے ہی نہیں کہ کوئی مجذوب ہو ہے۔ افراط تفریط بڑی چیز ہے۔ قرآن میں لکھا ہے کہ پہاڑ پر تجلی پڑی اور حضرت موسیٰ علیہ بے ہوش ہو گئے۔ ایک ولی جس کے وجود پر پے در پے تجلیاں وارد ہو رہی ہوں۔ بے ہوش ے تو اس میں اچنبے کی کیا بات ہوئی؟ وہ تجلی تو پہاڑ پر پڑی تھی۔ کچھ اولیاء اللہ ایسے بھی ہیں جن نے تجلیات کے مہبط ہوتے ہیں۔

مسلم شریف میں ہے۔

حدیث ہی ہے اذا نزل الیہ الوحی کرب لذلک وتربد وجھہ کہ جب آپ ﷺ پر وحی ہوتی تھی تو آپ شدید درد و کرب کی حالت میں ہوتے تھے اور آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ میں تا تھا۔

التقالت عائشہ

لقد رایتہ ینزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد نیفصم عنہ وان جبینہ لیتفصد

عرقا (بخاری شریف)

وان كان ليوحى اليه وهو على ناقته فيضرب خزامها من ثقل مايوحى اليه

البیہقی فی الدلائل) "حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم [illegible] شدید سرد

دن آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی اور جب اس کا سلسلہ منقطع ہوتا تو وحی کی [illegible] سے آ

پیشانی سے بے تحاشا پسینہ بہتا تھا۔ اور اونٹنی پر سواری کے دوران میں جب آنحضرت ﷺ

وحی نازل ہوتی تو وحی کے بوجھ سے اونٹنی کی رفتار میں فرق پڑ جاتا تھا۔"

اگر ختم المرسلین اور سید الکونینؐ کے چہرے کا رنگ بدل سکتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ

بے ہوش ہو سکتے ہیں تو ایک غریب ولی اگر بے ہوش گیا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہوئی۔

مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ سید المرسلینؐ پر جب تجلیاں پڑیں تو ہوش کی حالت میں ر

حضور ﷺ کی کیفیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کیفیت سے افضل ہے۔ اس لئے ہوش میں

بے ہوش ہونے سے افضل ہے۔

دوستو! میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مجذوب بیچارہ معذور ہوتا ہے۔ اس کی لوح دماغ

ہے۔ وہ معذور آدمی ہے وہ کسی کی تربیت کرنے کے قابل نہیں ہوتا اس لئے تمام اولیاء اللہ

ہوا کہ مجذوب کے پاس مت بیٹھو وہ غیر ذمہ دار ہے۔ مرفوع القلم ہے اس سے کوئی باز پرس

ہے۔ جیسے ایک پاگل سے باز پرس نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جونہی ایک انسان مجنوں ہو

فرشتے اس کا نامہ اعمال اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹی ختم ہو جاتی ہے۔ یہی معنی ہیں

القلم ہونے کے۔

اہل اللہ کا اتفاق ہے کہ مجذوب کے پاس بیٹھنا ضرر رساں ہو سکتا ہے۔ پھر غور کیجئے

اہم بات ہے کہ وہ سب کیفیتیں جو اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہیں قرآن ان کو بیان کرتا ہے۔

قرآن مجید پیغمبر کے یہ اوصاف تو بیان کرتا ہے کہ وہ تزکیہ کرتا ہے کتاب و حکمت کی

ہے مگر یہ کہیں نہیں لکھا ہوا کہ وہ ان پر سکر طاری کر دیتا ہے۔ مدہوشی طاری کر دیتا ہے۔

بھی کہی جا سکتی تھی۔ اس میں مشکل تھی۔ دیکھئے قرآن مجید پر غور کیجئے وہ سب کیفیتیں جو

نظر میں پسندیدہ تھیں وہ سب قرآن مجید میں لکھی ہوئی ہیں۔ مثلاً" قرآن میں ہے۔ تقش

د الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ۔ یہ کیفیت مومنین پر
ں ہوتی ہے کہ قرآن سن کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ان پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔
کے دل اللہ کے ذکر سے جاری ہو جاتے ہیں۔ واذا تتلی علیھم ایاتنا خروا سجدا وبکیا۔
ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو بے ساختہ سجدوں میں گر جاتے ہیں اور گریہ و زاری
تے ہیں۔

تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق ۔۔۔ آپ دیکھیں گے کہ عرفان حق
وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے ہوں گے۔ اہل ایمان و ولایت کی کیفیتیں تو
ں میں لکھی ہوئی ہیں۔ یہ نہیں لکھا تمیں پاروں میں کہ۔ وھم یرقصون۔ جہاں یہ لکھا ہوا ہے کہ
کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ وہاں یہ بھی لکھا جا سکتا ہے کہ "ھم یرقصون" وہ رقص کرنے
جاتے ہیں غور کیجئے تیس پاروں میں کسی ایک جگہ یہ کہنا مشکل تھا کہ "ھم یرقصون" وجد میں آ
ناچنے لگ جاتے ہیں۔ صحاح ستہ میں کہیں نہیں لکھا۔

دوستو! میں یہ جانتا ہوں کہ سالک پر جب تجلی پڑتی ہے تو بعض سالک رقص کرتے ہیں۔ وہ
ور ہیں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ یہ بات امام ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ کی گیارہویں جلد میں لکھی۔ لکھتے
تابعین میں بہت سے ایسے ہوئے ہیں جو بے ہوش ہوئے۔ فیھم الاضطراب والاختلاج والاغماء۔
جانتا ہوں کہ تابعین میں سے لوگ بیہوش بھی ہوتے رہے' اضطراب کی کیفیت بھی ان پر طاری
۔ فرماتے ہیں ھم معذورون۔ میں انہیں معذور جانتا ہوں۔ جتنی سخت تنقید تصوف پر امام ابن
ؒ نے کی کسی نے نہیں کی۔ ساتھ ہی فرماتے ہیں میں ان لوگوں کو ہزار درجے ان سے افضل مانتا
۔ جن کی حالت یہ ہے۔ فویل للقاسیہ قلوبھم من ذکر اللہ۔ جن کے دلوں پر قساوت
ی ہے۔

قرآن مجید نے اہل اللہ کی جو کیفیتیں بیان کر دی ہیں ہر کتاب اللہ پر ایمان رکھنے والے کو
ے جذبات کو ان ہی کیفیتوں میں مقید کرنا چاہیے

ر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم

عبداللہ ذوالبجادینؓ

مولانا ابوالکلام

ہر انسان موت کے آئینے میں اپنے دل کی آپ بیتی کا مرقع دیکھ لیتا ہے۔ اگر اس نے زندگی میں حسد' نفاق' ریا اور برائی کے ساتھ عہد مودت استوار رکھا ہو تو موت یہی تحائف کے سامنے لاکر رکھ دیتی ہے۔ اگر اس نے محبت' خلوص' خدمت اور دیانت کو شمع ہدایت بنایا موت انہیں انوار کا گلدستہ بناتی ہے اور اس کی نذر کر دیتی ہے۔ حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کا انتقال "موت میں زندگی کے انعکاس" کی بہترین مثال ہے۔

قبول اسلام سے پہلے آپ کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ ابھی شیر خواری کی منزل میں تھے کہ با انتقال ہو گیا۔ والدہ نہایت غریب تھیں۔ اس واسطے چچا نے پرورش کا بیڑہ اٹھایا۔ جب جوانی کی پہنچے تو چچا نے اونٹ' بکریاں' غلام' سامان اور گھربار دے کر ضروریات سے بے نیاز کر دیا۔ نبویؐ کے بعد توحید کی صدائیں عرب کے گوشے گوشے میں گونجنے لگی تھیں اور انکے کان میں پہنچ رہی تھیں۔ کیونکہ لوح فطرت بے میل اور شفاف تھی اس واسطے انہوں نے دل ہی میں اسلام کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسلامی آواز جو عرب کے کسی گوشے میں بلند ہوتی ان کے ذوق و شوق کا تازیانہ بن جاتی۔ قبول اسلام کے لئے ہر روز قدم بڑھاتے۔ مگر چچا کے خوف سے پیچھے ہٹا لیتے انہیں ہر وقت اسی کا انتظار رہتا تھا کہ چچا اسلام کی طرف مائل ہوں تو یہ بھی آستان پر سر تسلیم خم کر دیں۔ اس انتظار میں ہفتے گذرے' مہینے بیتے اور سال ختم ہو گئے یہاں تک کہ فتح ہو گیا اور دین حق کی فیروز مندیاں' رحمت ایزدی کا ابر بہار بنکر کوہ و دشت پر پھول برس لگیں۔ حضرت محمد ﷺ تطہیر حرم کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تھے کہ ذوالبجادین پیمانہ صبر سے لبریز ہو گیا۔ آپ چچا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا محترم چچا! میں کئی برسوں آپ کے قبول اسلام کی راہ تک رہا ہوں مگر آپ کا حال وہی ہے جو پہلے تھا۔ اب میں اپنی عمر پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ مجھے اجازت دیجئے کہ آستانہ اسلام پر سر رکھ دوں"۔

ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کو جس بات کا خطرہ تھا وہی پیش آ گئی۔ ادھر قبول اسلام کا لفظ ان کے لبوں سے باہر نکلا ادھر چچا آپے سے باہر ہو گیا اور کہنے لگا۔ اگر تم اسلام قبول کرو گے تو میں اپنا ہر سامان واپس لے لوں گا۔ تمہارے جسم سے چادر اتار لوں گا۔ تمہاری کمر سے تہ بند تک چھین لوں گا تم اپنی دنیا سے بالکل تہی دست کر دیئے جاؤ گے اور ایسے حال میں یہاں سے نکلو گے کہ تمہارے جسم پر کپڑے کا ایک تار بھی باقی نہیں ہو گا۔

ناظرین! ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی حالت کا اندازہ کیجئے۔ چچا کے الفاظ سے تو انہیں یوں معلوم ہوا کہ گویا اللہ تعالیٰ موجودات عالم کو ایک مینڈھا بنا کر ان کے سامنے رکھ دیا ہے اور پھر حکم دیا۔ "یہ ہے تمہاری ساری زندگی، اسے حضرت خلیل اللہ کی طرح ذبح کرو۔ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اس ذبح عظیم کے لئے تیار ہو گئے اور فرمایا اے عم محترم! میں مسلمان ضرور ہوں گا۔ میں حضرت محمد ﷺ کی ضرور اتباع کروں گا۔ اب میں شرک اور بت پرستی کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ آپکا زر و مال آپ کے لئے مبارک اور میرا اسلام میرے لئے مبارک، تھوڑے دنوں تک موت، ان چیزوں کو مجھ سے چھڑا دے گی۔ پھر یہ کیا برا ہے، اگر میں آج خود ہی انہیں چھوڑ دوں۔ آپ اپنا سب مال و اسباب سنبھال لیں۔ میں اس کے لئے دین حق کو قربان نہیں کر سکتا"۔

ذوالبجادین رضی اللہ عنہ نے یہ کہا اور چچا کے تقاضے کے مطابق اپنا لباس اتار دیا۔ جوتے اتار دیئے چادر اتار دی اور اس کے بعد تہ بند بھی اتار کر انکے سپرد کر دیا۔ پھر چچا کے بھرے گھر سے اس طرح نکلے کہ خدائے واحد کے نام پاک کے سوا کوئی بھی اور چیز ساتھ نہ تھی

میں ہوں وہ گرم رو راہ وفا جوں خورشید
سایہ تک بھاگ گیا چھوڑ کے تنہا مجھ کو

اس حال میں آپ اپنی ماں کے گھر میں داخل ہوئے۔ ماں نے انہیں مادر زاد برہنہ دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں اور پریشان ہو کر پوچھا اے میرے بیٹے! تمہارا یہ کیا حال ہے؟ "ذوالبجادین رضی اللہ عنہ نے کہا" اے ماں! اب میں مومن و موحد ہو گیا ہوں" اللہ اللہ مومن و موحد ہو گیا ہوں کے الفاظ ان

کے حال کے کس قدر مطابق تھے۔ انہوں نے اپنی مادی دنیا اپنے ہاتھوں بھسم کی تھی۔ انہوں نے اپنی زیست کے تمام سازو سامان اپنے ہاتھوں ذبح کئے تھے' انہوں نے اسلام کے لئے اپنی زندگی کے تمام رشتوں کو کاٹ کاٹ کر پھینک دیا تھا۔ اب ان کے پاس نہ اونٹ تھے نہ گھوڑے تھے' نہ بھیڑیں تھیں اور نہ بکریاں' نہ سامان تھا نہ مکان نہ غذا نہ پانی' نہ برتن' جسم پر کپڑے کا ایک تار نہ تھا مادر زاد برہنہ اور یہ سمجھ رہے تھے کہ "اب میں مومن اور موحد ہوا ہوں" ماں نے پوچھا تو اب کیا ارادہ ہے؟ کہنے لگے اب میں حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں جاؤں گا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھے ستر پوشی کے بقدر کپڑا دے دیا جائے۔ ماں نے ایک کمبل دیا۔ آپ نے وہیں اس کمبل کے دو ٹکڑے کئے ایک ٹکڑا تہ بند کے طور پر باندھا اور دوسرا چادر کے طور پر اوڑھا اور یہ مومن اور موحد اس حال میں مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

رات کی تاریکی اپنی قوت ختم کر چکی تھی۔ کائنات سورج کا استقبال کرنے کے لئے بیدار ہو رہی تھی۔ پرندے حمد خدا میں مصروف تھے روشنی سے بھیگی ہوئی باد سحر مسجد نبوی ؐ میں اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ کہ گرد سے اٹا ہوا ذوالبجادین ؓ تاروں کی چھاؤں میں مسجد نبوی ؐ میں داخل ہوا۔ ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر آفتاب ہدایت کے طلوع کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں صحن مسجد کے ذرات نے خوش آمدید کا ترانہ چھیڑا۔ معلوم ہوا کہ حضرت محمد ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ حضور نے صحن مسجد میں قدم رکھا تو ذوالبجادین رضی اللہ عنہ سامنے تھا۔

رسول اللہ ؐ آپ کون ہیں؟

ذوالبجادین ایک فقیر اور مسافر عاشق جمال اور طالب دیدار میرا نام عبد العزیٰ ہے۔

رسول اللہ ﷺ (حالات سننے کے بعد) یہیں ہمارے قریب ٹھہرو اور مسجد میں رہا کرو۔

رسول اللہ ؐ نے عبد العزیٰ کی بجائے عبد اللہ نام رکھا اور اصحاب صفہ میں شامل کر دیا۔ یہاں اللہ کا یہ موحد بندہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ قرآن پاک سیکھتا تھا اور آیات ربانی کو دن بھر بڑے ہی ولولہ اور جوش سے پڑھتا رہتا تھا۔

حضرت فاروقؓ! اے دوست اس قدر اونچی آواز سے نہ پڑھو۔ کہ دوسروں کی نماز میں خلل ہو۔

رسول اللہؐ۔ اے فاروق ﷺ انہیں چھوڑ دو۔ یہ تو خدا اور رسولؐ کے لئے سب کچھ چھوڑ چکا ہے۔

رجب 9 ہجری کو اطلاع ملی کہ عرب کے تمام عیسائی قبائل قیصر روم کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے ہیں اور وہ رومی فوجوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ اس وقت عرب کی گرمی خوب زوروں پر تھی۔ رسول اللہؐ نے آدمیوں اور روپے کے لئے اپیل کی۔ حضرت عثمان ﷺ نے 2900 اونٹ 100 گھوڑے اور ایک ہزار دینار چندہ دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے 40 ہزار درہم دیئے حضرت عمر فاروق نے اپنے تمام مال و منال اور نقد و جنس کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا اور ایک حصہ جنگ کے چندے میں دے دیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اللہ اور رسول ﷺ کے نام کے سوا اپنا سب کچھ اٹھایا اور رسول اللہ ﷺ کی نذر کر دیا۔ حضرت ابو عقیل انصاری ﷺ نے رات بھر محنت کر کے کل چار سیر کھجوریں کمائیں اور دو سیر اپنے بیوی بچوں کو دیں اور دو سیر رسول اللہ ﷺ کی خدمت پاک میں پیش کر دیں۔ عبداللہ ذوالبجادینؓ کے پاس پہلے ہی خدا اور رسول کے نام کے سوا کچھ بھی موجود نہ تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی پیش کر دی۔

حضرت محمد ﷺ 30 ہزار کی جمعیت کے ساتھ ہجوم آتش بار کے طوفانوں میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ سواریاں اس قدر کم تھیں کہ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں ایک ایک اونٹ آیا سامان رسد اس قدر قلیل تھا کہ مسلمان درختوں کے پتے کھاتے تھے اور قیصر روم کے مقابلے پر منزل بہ منزل چلے جا رہے تھے۔ عبداللہ ذوالبجادینؓ ولولہ جہاد سے لبریز تھا شوق شہادت سے سرشار تھا۔ اسی دھن میں یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں آیا اور کہنے لگا۔

"یا رسول اللہ ﷺ آپ دعا فرمایئے کہ میں راہ خدا میں شہید ہو جاؤں"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "تم کسی درخت کا چھلکا اتار لاؤ"

عبداللہؓ درخت کا چھلکا لے کر خوشی خوشی حاضر خدمت ہوا۔ حضور ﷺ نے چھلکا لیا اور اسے عبداللہؓ کے بازو پر باندھ دیا اور زبان مبارک سے فرمایا۔ "خداوند میں کفار پر عبداللہ کا خون حرام کرتا ہوں"۔

عبداللہؓ ارشاد نبوی ﷺ پر کچھ حیران سا رہ گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ میں تو شہادت کا آرزو مند تھا۔ فرمایا جب تم راہ خدا میں نکل پڑے پھر اگر تم بخار سے بھی مرجاؤ تو تم شہید ہو۔

اسلامی فوج تبوک پہنچی تھی کہ عبداللہؓ کو سچ مچ بخار آگیا۔ یہی بخار ان کے لئے پیغام شہادت تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے انتقال کی خبر پہنچائی گئی تو آپ صحابہؓ کے ساتھ تشریف لائے ابن حارث مزنی سے روایت ہے کہ رات کا وقت تھا۔ حضرت بلال ﷺ کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق ﷺ اپنے ہاتھوں سے میت کو لحد میں اتار رہے تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ قبر کے اندر کھڑے تھے اور حضرت عمرؓ سے فرما رہے تھے۔

ادبا الی اخیکما

(اپنے بھائی کو ادب سے لحد میں اتارو)

جب میت لحد میں رکھ دی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اینٹیں میں خود رکھوں گا۔" چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے قبر میں اینٹیں لگائیں اور جب تدفین مکمل ہو چکی تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا

"الٰہی میں آج شام تک مرنے والے سے خوش رہا ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا"۔

حضرت ابن مسعودؓ نے جب یہ نظارہ دیکھا تو فرمایا۔ اے کاش اس قبر میں آج میں دفن کیا جاتا۔ (ماخوذ از۔ انسانیت موت کے دروازہ پر)

☆☆☆----☆☆☆-----☆☆☆

خیال اقبال

زوال ملت پر درد اقبال

عبدالرشید ساہی

شعر نمبر1

وہی میری کم نصیبی، وہی تیری بے نیازی
میرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی

علامہ اقبال اس شعر میں نہایت درد آمیز اور یاس انگیز لہجہ میں خدا تعالیٰ سے اپنا حال زار بیان کرتا ہے اور اسے اپنی درد بھری کہانی سناتا ہے کہ میری کم نصیبی اور تیری بے نیازی کی وجہ سے میرا کمال نے نوازی کچھ بھی میرے کام نہ آسکا یعنی میرا مقصد دل حل نہ ہو سکا وہ مقصد کیا تھا؟ صرف یہ کہ قوم بیدار ہو جائے لیکن افسوس کہ قوم نے مجھے ایک شاعر سمجھا میں نے بطور نباض قوم کی تشخیص کی اور اس کو دنیا میں سربلندی حاصل کرنے کا علاج بتانا چاہا لیکن میری آواز پر کسی نے کان نہ دھرا اور نہ ہی میرے درد کو محسوس کیا۔ دوسرے الفاظ میں شاعر ہمیں اس بات کی تلقین کر رہا ہے کہ اپنے کمال پر مغرور نہیں ہونا چاہئے جب تک تائید ایزدی شامل حال نہ ہو انسان مقصد حیات میں کامیاب نہیں ہو سکتا تقدیر کے سامنے تدبیر نہیں ٹھہر سکتی جب تک خدا تعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہو کوئی انسان بھی اپنی منزل مقصود کو حاصل نہیں کر سکتا۔

تیرے کرم سے میری سلامت ہے زندگی
تیرا کرم نہ ہو تو قیامت ہے زندگی

شعر نمبر2

میں کہاں ہوں تو کہاں ہے؟ یہ مکاں کہ لامکاں ہے
یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ سازی

شاعر اس شعر میں اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر عرض کر رہا ہے کہ یارب کریم! میں کہاں ہوں اور تو کہاں ہے؟ اس کا جواب اقبال کے فلسفہ کے مطابق یہ ہے کہ مکان کے لحاظ سے خدا مکان میں نہیں ہے کیونکہ وہ لامحدود اور لامتناہی ہے (Boundless and infinite)

یعنی خدا تعالیٰ کسی مخصوص مقام میں نہیں ہے بلکہ یہ سوال ہی خارج از بحث ہے کیونکہ زمان و مکاں کی قید اس پر وارد ہو سکتی ہے جو مجسم ہو اور خدا تو جسم سے پاک ہے لیکن اس کے باوجود کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں خدا نہ ہو اس کی مثال جسم انسانی سے مل سکتی ہے روح انسانی جسم میں کسی مخصوص مقام میں نہیں ہے اس کے باوجود ہر جگہ موجود ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ روح امر ربی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت تجلی کا پرتو ہے

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ مکان ہے یا لامکان ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بظاہر مکان کا وجود محسوس ہوتا ہے لیکن در حقیقت خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔

وہی اصل مکان و لا مکان ہے
مکاں کیا شے ہے؟ انداز بیاں ہے

تیسرا سوال یہ ہے کہ یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ سازی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جسے ہم اپنا جہاں کہتے ہیں یہ ہمارا جہاں نہیں ہے کیونکہ خارج میں موجود ہی نہیں اور جو موجود نہ ہو اس پر ملک کا اطلاق کیسے ہو سکتا ہے؟ تو پھر ہے کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی یعنی خدا تعالیٰ کی کرشمہ سازی ہے یعنی یہ جہاں (کائنات) اس کی صفت خالقیت کی عکاسی کرتی ہے اور یہ اس کی ذات کا پرتو ہے اور چونکہ تجلی ہر دم' ہر لحظہ اور ہر آن ہو رہی ہے لہٰذا کائنات بھی برقرار یا قائم نظر آتی ہے اگر خدا تعالیٰ کی تجلی ایک سیکنڈ کے لاکھویں حصہ کے لئے بھی رک جائے تو یہ ساری کائنات یکسر فنا یعنی معدوم ہو جائے گی کیونکہ اس کا کوئی ذاتی یا مستقبل یا خارجی وجود تو ہے ہی نہیں یہ بے چاری تو کسی کی چشم سرگیں کا ایک کرشمہ ہے ایک شان دلبری ہے غالب نے اس کو بڑے دلکش انداز میں بیان کیا ہے

دہر جز جلوہ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

شعر نمبر3

اسی کشمکش میں گذریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

اس شعر میں علامہ اقبالؒ نے انسان کی دو بنیادی قوتوں یعنی ذکر اور فکر کی طرف اشارہ

کیا ہے مرشد رومی ارباب ذکر کے قافلہ سالار ہیں اور امام رازی اصحاب فکر کے سردار ہیں۔ اول الذکر کشف اور وجدان کے علمبردار ہیں اور آخرالذکر برہان اور استدلال کے دوستدار ہیں انداز رومی سے دل میں سوز و گداز کا رنگ پیدا ہوتا ہے اور طرز رازی سے ذہن پیچ و تاب میں مبتلا رہتا ہے۔ وجدان کا تعلق قلب سے ہے اور استدلال کا رابطہ ذہن سے ہوتا ہے شاعر کہتا ہے کہ اکثر انسان باطنی کشمکش میں زندگی بسر کر دیتے ہیں یعنی وہ فیصلہ ہی نہیں کرپاتے کہ کون سا طریق زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے یعنی رومی یا رازی

رازی کے طریقہ سے ذہن کو تسلی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ عقل کا کام ہی یہ ہے کہ اپنے استدلال پر خود ہی شبہات وارد کرتی ہے اس کے متعلق ایک انگریز مفکر کانٹ (Kant) نے یہ لکھا ہے کہ محض عقل کی بدولت خدا کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ الغرض رازی کے طریقہ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آدمی ذہنی پیچ و تاب میں مبتلا ہو جاتا ہے اس کے مقابلہ میں رومی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ استدلال کے بجائے وجدان کو حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بناتے ہیں اور صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ استدلال سے خدا نہیں ملتا وہ تو وجدان کو رہنما بناتے ہیں۔ ویسے اقبالؒ نے چونکہ رومیؒ کو مرشد تسلیم کیا ہے اس لئے ان کی شاعری میں وجدان کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے کیونکہ وجدان میں خدائی معرفت اور بصیرت کے ایسے ایسے عقدے حل ہو جاتے ہیں کہ عقل کے ذریعہ سے انکا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا چاک گریباں یا دامن یزداں چاک
عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

جسم مادی ہے اس کی ضروریات بھی مادی ہیں اور دماغ بھی ایک مادی جسم ہے جس کا کام جسم کی مادی ضروریات کو جاننا اور اس کی آسائش کی راہیں تلاش کرنا ہیں یہی وجہ ہے کہ مادی کمالات کے لئے ایمان ضروری نہیں' کافر بھی' ڈاکٹر' انجینئر اور سائنسدان وغیرہ بن سکتا ہے۔

دوسرا علم روحانی ہے روح کا تعلق عالم امر سے ہے وہاں کے علوم جاننا دماغ کے بس کی بات نہیں بلکہ دل کا کام ہے۔ وہ دل جو اس گوشت کے لوتھڑے میں اللہ نے رکھ دیا ہے جو

حقیقتاً" عالم امر ہی کا ایک لطیفہ ہے اللہ کی ذاتی عظمت کا شعور' اس کی ذات و صفات کا ادراک' آسمان سے بالا کی باتیں' ارواح' برزخ' آخرت' موت یا بعد الموت' حشر و نشر' ثواب و عذاب' جنت دوزخ یہ سب وہ حقائق ہیں جن کو روحانی علوم کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے اگر دماغ میں یہ صلاحیت ہوتی تو ساری کائنات میں سب سے افضل ترین دماغ بھی نبی مکرم و محترم ﷺ کا ہے آپ کے دماغ کو خطاب فرمایا جاتا مگر نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فرشتہ اللہ کا ذاتی کلام لایا جو براہ راست قلب اطہر پر نازل ہوا" یہ بھی کلام کی عظمت کا اظہار ہے کہ دماغ کی رسائی ہی سے بالاتر ہے بلکہ خود دماغ کی اصلاح کرنے والا ہے نہ یہ کہ کسی کا دماغ اس کی اصلاح کرنے لگ جائے ایسا کرنے سے انسان گمراہ اور بے راہ ہو جاتا ہے جب دل کی مکمل اصلاح ہو جاتی ہے تو یہ انسان میں ایک ایسی روحانی خوشی اور خوشخبری تقسیم کرتا ہے جو انہیں آخرت کی لذتوں سے آشنا کر دیتی ہے اور ایک ایسا سکون عطا کرتا ہے جس کی لذت کو دنیاوی آرام بھی کم نہیں کر سکتے

یہ وہ نقشہ نہیں جسے ترشی اتار دے۔ علامہ اقبال دل کو موضوع بنا کر فرماتے ہیں

ہر اک ذرہ میں ہے شاید مکیں دل
اسی جلوت میں ہے خلوت نشیں دل
اسیر دوش و فردا ہے و لیکن
غلام گردش دوراں نہیں دل

شعر نمبر 4

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے راہ و رسم شہبازی

اس شعر میں اقبال نے کفار کی صحبت اور غیر اسلامی ماحول کو ہدف تنقید بنایا ہے کہتے ہیں میری قوم کے نوجوان (لڑکے' لڑکیاں) سراسر کافرانہ ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور ملحدانہ نظام تعلیم ان پر مسلط ہے ان کے دل و دماغ کو اسلام سے بیگانہ بنا دیا گیا ہے اسی وجہ سے جذبہ عشق سرد پڑ گیا۔ ترقی کے ولولے ختم ہو گئے مذہبی غیرت فنا ہو گئی اور خودی مردہ ہو گئی۔ جب سے مسلمانوں نے اپنی تہذیب و تمدن کو چھوڑ کر غیروں کی نقالی اپنائی ہے تو

اس سے فحاشی، عریانی اور بے حیائی ہمارے حصہ آئی ہے قومی غیرت و حمیت کا جنازہ اٹھ چکا ہے ناکامیاں، نامرادیاں اور پستیاں ہمارا مقدر بن چکی ہیں

مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے ملا ہیں کیوں ننگ مسلمانی

ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت مسلمان کو دامن توحید اور اتباع رسول ﷺ سے دور کر دیا گیا ہے زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ یہ بربادی اپنوں ہی کے ہاتھوں کروائی جا رہی ہے۔ ذرا غور کریں کیا ہمارا نظام تعلیم اسلامی ہے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگرام اسلامی اور تعمیری ہیں کیا ڈرامے اور فلمیں تعلیم اسلام دے رہے ہیں اخبارات، رسائل اور جو بھی لٹریچر ہماری روز مرہ نظروں سے گزرتا ہے اسلامی ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو غور کریں اس میں قصور کس کا ہے۔ کیا ہم آزاد ملک کے باسی نہیں ہیں، کیا ہم خود مختار نہیں ہیں نہیں نہیں ہم آزاد خود مختار نہیں ہیں ہمیں اب بھی غیروں نے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے ہمارے ہاتھ میں کاسہ گدائی ہے ہم ان کے در کے بھکاری اور گداگر ہیں۔ میری تمام اسلامی ممالک کی مقتدر قوتوں سے اپیل ہے کہ وہ غیروں سے لائی ہوئی بھیک سے جو پر تعیش زندگیاں گزار رہے ہیں ان سے باز آجائیں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وسائل پر بھروسہ اور گذارہ کریں اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں تو قرون اولیٰ کا زمانہ پھر آسکتا ہے لیکن علامہ فرماتے ہیں

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردان حر کی آنکھ ہے بینا

اگر کسی شاہین کی پرورش گدھوں میں ہوئی ہو تو قدرتی طور پر وہ "مردار" کھانے کا عادی ہو جائے گا وہ کیا جانے کہ زندہ طائر کو شکار کرنے کی کیا لذت ہوتی ہے۔

شعر نمبر 5

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی، وہ نگہ کی تیغ بازی

اس شعر کا اسلوب بیان بہت دلکش ہے علامہ فرماتے ہیں کہ فقر اور سلطنت میں نام کا

فرق تو ضرور نظر آتا ہے لیکن بباطن دونوں ایک ہی ہیں ان میں صرف طریق کار کا فرق ہے مقصد دونوں کا یکساں ہے یعنی سلطان بھی حکمرانی کرتا ہے اور فقیر بھی، فرق صرف یہ ہے کہ سلطان فوجوں کی مدد سے حکمرانی کرتا ہے لیکن فقیر یہی کام نگاہ کی مدد سے سرانجام دیتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ سلطان حکمرانی کے لئے غیروں کا محتاج ہے لیکن فقیر ان اسباب سے بے نیاز ہوتا ہے وہ اللہ کے فضل و رحم کے سہارے کام کرتا ہے

ہوں آتش نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش
میں بندہ مومن ہوں نہیں دانہ اسپند

شعر نمبر 6

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی

علامہ فرماتے ہیں کہ آج کل کے دینی پیشوا ہوں، علماء یا مشائخ ہوں ان میں سے اکثر میں دلنوازی کی عادت نہیں پائی جاتی حسن و اخلاق کی بہت کمی ہے اس لئے حالت یہ ہے کہ بعض افراد نے تو ملت اسلامیہ سے رشتہ ہی منقطع کر لیا اور بعض اشخاص انکی سرد مہری کی بناء پر مذہب اسلام ہی سے بدظن ہو گئے

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ "اللہ کے راستے کی طرف حکمت اور حسین الفاظ میں نصیحت کر کے بلاؤ" اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں جس انسان کی اصلاح کرنی مقصود ہو اس کو اسکے کسی عیب کی وجہ سے برا بھلا نہ کہو ایسا کرنے سے وہ بہت برا مانے گا اور آئندہ تم سے کبھی بات بھی نہیں کرے گا پھر تم اس کی اصلاح کیسے کرو گے نبی مکرم و محترم ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ "اپنے اندر اللہ جیسے اخلاق پیدا کرو" تصور کرو اللہ تعالیٰ ہزاروں بغاوتیں کرنے والوں پر بھی رحم کرتا ہے ان کو روزی دیتا ہے اور انکے گناہوں سے درگذر فرماتا ہے نبی مکرم و محترم ؐ کا طریقہ کار ملاحظہ فرماؤ لاہوتی اختیارات کے ہوتے ہوئے بھی انسانوں سے پتھر کھائے اور درگذر فرمائی بلکہ دعائیں دیں گالیاں سن کر برداشت کیا اور خدا تعالیٰ سے بھلے کی دعا کی کہ اے خدایا ان پر رحم فرما کیوں صرف اس لئے کہ اسی میں کامیابی و کامرانی کا راز پوشیدہ ہے

نماز

حافظ محمد یاسین

ایمان کے بعد اسلام کا دوسرا اہم رکن نماز ہے

نماز کے معنی۔ نماز ہماری زبان کا جانا پہچانا لفظ ہے جو قرآنی اصطلاح "صلوٰۃ" کی بجائے استعمال ہوتا ہے۔ صلوٰۃ کے لغوی معنی ہیں کسی کی طرف رخ کرنا' بڑھنا' دعا کرنا' قریب ہونا' قرآن کی اصطلاح میں نماز کے معنی ہیں خدا کی طرف متوجہ ہونا اس کی طرف بڑھنا اس سے دعا کرنا اور اس سے انتہائی قریب ہونا۔ اس طریق عبادت کے ارکان کی تعلیم قرآن نے دی ہے اور اس کا تفصیلی طریقہ عمل نبیؐ نے بتایا ہے۔

"اور ہر نماز میں اپنا رخ ٹھیک اللہ کی طرف رکھو اور مخلصانہ اطاعت کے ساتھ اس کو پکارو" (الاعراف 29)

اور سورہ العلق میں ہے

"اور سجدہ کرو اور اللہ کے قریب ہو جاؤ"

حدیث شریف میں ہے

"بندہ اپنے اللہ سے اس وقت سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے جب وہ اللہ کے حضور سجدے میں ہوتا ہے"

نماز کی فضیلت و اہمیت

ایمان لانے کے بعد مسلمان سے اولیں مطالبہ یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرے۔ اللہ کا ارشاد ہے

"بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی بندگی کرو اور میری یاد کیلئے نماز قائم کرو"

نماز کی تاکید و ترغیب کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت کو دلوں میں جمانے کے لئے قرآن نے اس ہولناک انجام اور زبردست رسوائی سے بھی پوری قوت کے ساتھ ڈرایا ہے جس سے تارکین صلوٰۃ دوچار ہونگے۔

نبیؐ نے بھی نماز کی غیر معمولی فضیلت و اہمیت اور اس کو چھوڑ دینے کی بدترین سزاؤں پر مختلف رخ سے روشنی ڈالی ہے آپؐ نے فرمایا

"مومن اور کافر کے درمیان نماز ہی حد فاصل ہے"

حضرت ابوذرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دن نبیؐ جاڑے کے دنوں میں جب پت جھڑ ہو رہا تھا باہر تشریف لائے اور آپؐ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑ کر ہلائیں تو کھڑ کھڑ پتے جھڑنے لگے پھر آپ نے فرمایا اے ابوذرؓ جب کوئی مسلمان یکسوئی اور اخلاص سے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ بھی اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے اس شاخ کے پتے جھڑ رہے ہیں۔

ایک بار نبیؐ نے صحابہ سے پوچھا اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر بہہ رہی ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو بتاؤ اس کے جسم پر کچھ بھی میل کچیل رہ سکتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں۔ اس کے جسم پر تو کچھ بھی میل کچیل نہ رہے گی آپ نے فرمایا یہی حال پانچ وقت کی نمازوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نمازوں کے ذریعے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

مگر یہ فضیلت و اہمیت اس نماز کی ہے جو واقعی نماز ہو جو سارے ظاہری آداب و باطنی صفات کا لحاظ کرتے ہوئے شعور کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔ نماز ادا کرنے میں ان ظاہری آداب کا بھی اہتمام کیا جائے جن کا تعلق نماز کی ظاہری حالت کی درستگی سے ہے اور ان باطنی صفات کا بھی پورا پورا اہتمام کیا جائے جن کا تعلق آدمی کے قلب و روح اور احساسات و جذبات سے ہے۔

ذیل میں مختصر طور پر یہ آداب و صفات بیان کئے جاتے ہیں

1۔ طہارت و پاکیزگی

شریعت نے پاکی اور طہارت کے جو طریقے سکھائے ہیں اور جن احکام کی تعلیم دی ہے ان کے مطابق جسم و لباس کو اچھی طرح پاک صاف کر کے خدا کے حضور حاضری دی جائے۔

ترجمہ۔ اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لو سر کا مسح کر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھو لو اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرو۔ (المائدہ 4۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے

"اور اپنے لباس کو اچھی طرح پاک صاف کر لو" (المدثر۔4)

2۔ وقت کی پابندی

یعنی ٹھیک وقت پر نماز ادا کی جائے اس لئے کہ نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔

ترجمہ۔ "پس نماز قائم کرو بے شک نماز مومنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے"

(النساء۔103)

نبی ﷺ کا ارشاد ہے

"بہترین بندے وہ ہیں جو سورج کی دھوپ اور چاند تاروں کی گردش کو دیکھتے رہتے ہیں کہ نماز کا وقت فوت نہ ہونے پائے"

3۔ نماز کی پابندی

یعنی تسلسل کے ساتھ بلاناغہ نماز پڑھی جائے حقیقت میں وہی لوگ نمازی کہلانے کے مستحق ہیں جو پابندی اور التزام کے ساتھ بلاناغہ نماز ادا کرتے ہیں۔

ترجمہ۔ "مگر نماز پڑھنے والے جو التزام کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں" (المعارج 22۔23)

4۔ صف بندی کا اہتمام

صفوں کو بالکل سیدھا اور برابر رکھنے کا انتہائی اہتمام کرنا چاہے اس لئے کہ صفوں کو درست رکھنا اچھی طرح نماز پڑھنے کا جزو ہے۔

آپ ؐ نے فرمایا۔ "خدا کے بندو اپنی صفیں سیدھی اور برابر رکھا کرو۔ ورنہ خدا تمہارے رخ ایک دوسرے کے خلاف کردے گا" (مسلم)

اور آپ ؐ نے ارشاد فرمایا نمازوں میں صفوں کو سیدھا اور برابر کیا کرو۔ اس لئے کہ صفوں کو درست رکھنا اقامت صلوۃ ہی کا ایک جز ہے۔ (بخاری)

5۔ سکون و اعتدال

یعنی نماز اس سکون و اطمینان کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر ادا کی جائے کہ قرات' قیام' رکوع اور سجود اور جملہ ارکان نماز کا حق ادا ہو جائے۔

ترجمہ۔ "اور اپنی نماز نہ تو زیادہ بلند آواز سے پڑھئے اور نہ بالکل ہی پست آواز سے بلکہ درمیانی روش اختیار کیجئے" (بنی اسرائیل۔11)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو پہلے خوب اچھی طرح وضو کرو' پھر قبلے کی طرف رخ کرو' پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرو اور قرآن کا جو حصہ آسانی سے پڑھ سکو پڑھو۔ پھر قرات کے بعد رکوع۔ یہاں تک کہ تم رکوع میں پورے سکون و اطمینان سے ہو جاؤ پھر رکوع سے اٹھ کر بالکل سیدھے کھڑے ہو

جاؤ۔ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ پورے سکون و اطمینان سے سجدہ کر لو۔ پھر اٹھ کر بالکل اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ پھر اپنی پوری نماز اسی طرح اطمینان و سکون کے ساتھ ادا کرو"۔ (بخاری، مسلم)

نبی ﷺ کی ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ نماز سر سے بوجھ اتارنا نہیں ہے کہ آدمی جلد جلد پڑھ کر اٹھ کھڑا ہو بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی افضل ترین عبادت ہے اسکا حق یہ ہے کہ نہایت سکون و اطمینان سے (اللہ کی یاد میں ڈوب کر) پڑھی جائے۔

حضرت عائشہؓ نبیؐ کی کیفیت نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ تکبیر تحریمہ سے نماز شروع فرماتے تھے اور قرات کا آغاز الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے۔ اور جب آپ رکوع فرماتے تو اپنے سر کو نہ تو اوپر اٹھائے رہتے اور نہ نیچے کی طرف جھکائے رہتے بلکہ درمیانی حالت میں (کمر کی بالکل سیدھ میں) رکھتے اور جب رکوع سے اٹھتے تو سجدہ میں اس وقت تک نہ جاتے جب تک کہ سیدھے نہ کھڑے ہو جاتے اور جب سجدے سے سر مبارک اٹھاتے تو جب تک بالکل سیدھے نہ بیٹھ جاتے دوسرا سجدہ نہ فرماتے اور ہر دو رکعت پر التحیات فرماتے اور التحیات پڑھتے وقت بایاں پاؤں نیچے بچھا لیتے اور دایاں پاؤں کھڑا کر لیتے تھے اور اس سے بھی منع فرماتے تھے کہ آدمی سجدے میں اپنی کلائیاں زمین پر بچھائے رکھے اور پھر آپؐ السلام علیکم ورحمت اللہ کہہ کر نماز ختم فرماتے تھے (مسلم)

4۔ نماز باجماعت کا اہتمام

فرض نماز لازماً جماعت سے پڑھنی چاہئے سوائے یہ کہ جان و مال کا واقعی خوف یا پھر شدید مرض ہو۔

ترجمہ۔ "اور رکوع کرو سب رکوع کرنے والوں کے ساتھ" (البقرۃ۔43)

"جو شخص نماز باجماعت کے لئے موذن کی پکار سنے اور اس پکار پر دوڑ پڑنے میں اس کے لئے کوئی عذر بھی نہ ہو اور پھر بھی وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے نہ پہنچے اور تنہا نماز پڑھے تو اس کی نماز خدا کے ہاں قبول نہ ہوگی بعض لوگوں نے پوچھا عذر سے کیا مراد ہے۔ فرمایا جان و مال کا خوف ہو یا مرض ہو" (ابوداؤد)

"جو شخص چالیس روز تک برابر ہر نماز اسی طرح جماعت سے ادا کرے کہ تکبیر سے شریک رہے اس کے لئے دو چیزیں لکھ دی جاتی ہیں ایک آتش دوزخ سے آزادی اور دوسری نفاق سے آزادی" (جامع ترمذی)

ماخوذ از (آسان فقہ)

محمد یوسف اصلاحی

نبی آخرالزماںؐ کی صداقت (ویدوں سے ثابت)

مولانا شمس نوید عثمانی

ابتدائے کائنات۔ حضرت احمدؐ مجتبےٰ

حقیقت احمدی

ہم نے جگہ جگہ اس کا تذکرہ کیا ہے کہ ہندو قوم نے اپنی مذہبی حقیقتوں کو دیومالاؤں میں گم کردیا ہے ان میں سے اہم ترین حقیقت جس سے یہ قوم واقف تھی اور جس پر اس قوم کی بیشتر دیومالاؤں کی بنیاد ہے' وہ 'حقیقت احمدی ہے اس کی وضاحت کے لئے پہلے حقیقت احمدی کو سمجھنا ضروری ہے۔ جس کا تذکرہ ہمارے ان تمام علماء نے کیا ہے جن کا تصوف سے بھی تعلق رہا ہے یہ ان حقیقتوں میں سے ایک ہے جن کو سمجھنا اس پندرھویں صدی میں ضروری ہے۔ ورنہ نہ تو ہم اس ہندو قوم کی دیومالاؤں کی حقیقت کو سمجھ سکیں گے اور نہ اسکا علاج کرسکیں گے۔

قرآن شریف کی سورۃ الصف کی مندرجہ ذیل آیت پر نظر ڈالیں۔

ترجمہ! "اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا پیغمبر آیا ہوں۔ تصدیق کرنے والا توریت کی جو مجھ سے پیشتر سے ہے اور ایک رسول کی بشارت دینے والا جو میرے بعد آنے والے ہیں جن کا نام احمدؐ ہے۔ پھر جب وہ انکے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ لوگ بولے کہ یہ تو صریح جادو ہے"

(سورہ صف آیت 6)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنے والے رسول کی بشارت دی تھی۔ اور اس کا نام احمدؐ بتایا تھا۔

اس آیت کی تشریح میں مفسرین نے بہت تفصیل سے یہ سمجھایا ہے کہ انجیل میں احمدؐ کے نام سے آنے والے نبی کی بشارت موجود تھی لیکن عیسائی اس کے ترجموں میں تحریف کررہے ہیں۔ بیشتر مفسرین نے یہاں اس بات کی وضاحت نہیں کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا نام احمد ﷺ کیسے تھا؟

یہاں صرف وہ احادیث نقل کی گئی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرا نام احمدؐ ہے۔ بے شک یہ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا ایک نام احمدؐ بھی تھا۔ لیکن کیسے تھا؟ کہاں

تھا؟ کب تھا؟

رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر ہمارا ایمان ہے لیکن اگر ان احادیث سے ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ احمدؐ نام کی کیا حقیقت ہے تو ہم مستشرقین کے الزامات کا کیا جواب دیں گے۔ عیسائی یہ کہتے ہیں کہ ہماری کتابوں سے محمد ﷺ کو معلوم ہوا کہ آنے والے نبی کا نام احمد ہو گا۔ اور یہ سن کر انہوں نے (نعوذ باللہ) قرآن کی آیت گڑھ لی اور زبانی بھی یہی کہنا شروع کر دیا کہ میرا نام احمدؐ ہے۔ حالانکہ ان کا نام محمد ﷺ تھا۔

ملاحظہ ہو' ایک عیسائی مصنف کے الفاظ

"....بچہ کا نام محمد ﷺ رکھا گیا۔ یہ نام عربوں میں بہت ملتا تھا' لیکن تھا۔ اس لفظ کا مادہ حمد ہے۔ جس سے محمد ﷺ کے معنی قابل تعریف کے نکلتے ہیں۔ حمد سے ہی احمد بنتا ہے۔ انجیل کے کچھ عربی ترجموں میں سریانی لفظ پیراکلیٹ PARACLETE کا غلط ترجمہ احمد کیا گیا ہے اور یہ مفہوم مسلمانوں کی عیسائی اور یہودیوں سے گفتگو میں بہت زیادہ مقبول ہو گیا۔ کیونکہ انکے کہنے کے مطابق اسی نام سے ان کی کتابوں میں رسول کی پیشین گوئی تھی۔

(لائف آف محمدؐ۔ تلخیص شدہ ایڈیشن۔ سر ولیم میور لندن 1871ء صفحہ 5)

"مونٹانس کے بیان سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ "پیراکلیٹ کی آمد کا وعدہ" کے بہت سے مفہوم بگاڑ کر متعین کیے جا سکتے ہیں اور یہ ممکن ہے کہ انہیں میں سے ایک چھانٹا ہوا مفہوم محمدؐ کے سامنے بیان کیا گیا ہو۔ جس سے یہ آیت بنائی گئی ہو جو سورہ صف میں ہے۔

(لائف آف محمدؐ' تلخیص شدہ ایڈیشن صفحہ 124)

تاریخ میں ہمیں حضرت محمد ﷺ کا نام احمد ﷺ کہیں نہیں ملتا۔ آپ ﷺ کے بتانے کے بعد کہ میں ہی احمدؐ ہوں' احمد نام کا چلن ہوا' آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے آپکا نام احمد رکھا تھا۔ بچپن ہی سے تمام اہل مکہ آپ ﷺ کو صرف محمدؐ کے نام سے پکارتے تھے۔ صادق اور امین کے لقب بھی آپ ﷺ کے مقرر ہوئے لیکن احمد نام کہیں ذکر نہ تھا۔ آپ ﷺ کے تمام اصحاب آپ ﷺ کو محمد ہی کے نام سے جانتے تھے۔ پہلی مرتبہ آپ ﷺ کے منہ سے ہی یہ انکشاف ہوا کہ آپ ﷺ ہی احمد تھے کیا احمدؐ نام کی حقیقت سمجھنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے؟ یہ معلوم ہوتے ہوئے بھی کہ دنیا میں آپ ﷺ کا نام محمد ہو گا حضرت عیسیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ کیوں بتایا کہ "اس کا نام احمدؐ ہے" حالانکہ یہ اللہ کے علم میں تھا کہ اس سے اعتراضات کا دروازہ

کھلے گا۔ کیا رسول اللہ ﷺ کے احمد نام کی حقیقت محمد ﷺ سے الگ کچھ اور ہے جس کی طرف پچھلی امتوں کو متوجہ کرنا مقصود تھا۔

احمدؐ دراصل آپؐ کا نام عالم ارواح میں تھا اس جسمانی دنیا میں بھیجے جانے سے پہلے تمام انسانوں کی پیدائش سے پہلے، حضرت آدم علیہ السلام کے بھی اس دنیا میں آنے سے پہلے ہم سب کا وجود تھا۔ روحانی دنیا میں ہم سب کی روحیں پہلے پیدا کی گئی ہیں۔ بعد میں جسم دے کر ہمیں اس دنیا میں بھیجا گیا۔ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی روحیں اب بھی موجود ہیں اسی روحوں کی دنیا میں جہاں ہم سب سے اللہ نے اپنے رب ہونے کا اقرار کرایا تھا۔ قرآن شریف اس آیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ترجمہ۔ اور (اے نبی لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت) جب کہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور (خود ان کو) ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ (آپ ہی ہمارے رب ہیں) ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔ (یہ ہم نے اس لئے کیا کہ) کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے یا یہ نہ کہنے لگو کہ شرک کی ابتداء تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد کو ان کی نسل سے پیدا ہوئے۔ پھر کیا آپ ہمیں اس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا"

(الاعراف۔ 172۔ 173)

اس آیت کی تشریح میں شیعہ' سنی تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ عہد جسموں کے پیدا ہونے سے پہلے تمام بنی آدم کی روحوں سے لیا گیا تھا۔ مثلاً" حافظ ابن قیم" "کتاب الروح" میں لکھتے ہیں۔

"..... ظاہر ہے کہ یہ عہد روحوں سے لیا گیا تھا کیونکہ اس وقت بدن کہاں تھے"

(روحوں سے ملئے' خوابوں کو سمجھئے' ترجمہ کتاب الروح مصنف علامہ حافظ ابن قیم" ترجمہ از مولانا راغب رحمانی' مطبوعہ مکتبہ الفلاح دیوبند صفحہ 249)

"کعب قرظی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں" سب روحوں نے اجسام پیدا کئے جانے سے پہلے اللہ پر ایمان لانے کا اور اس کی معرفت کا اقرار کیا تھا" (صفحہ 253 بحوالہ بالا)

اس کے علاوہ اسی کتاب میں مزید بتایا گیا ہے کہ

حق تعالیٰ نے فرمایا

ولقد خلقنکم ثم صورنکم..... (الخ سورہ اعراف 11)

سو اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں......) کہتے ہیں ثم (پھر) ترتیب و تاخیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔ معلوم ہوا کہ خلق سے خلق ارواح مراد ہے"

(صفحہ 249 بحوالہ بالا)

اس روحانی دنیا میں جہاں ہم سب نے اللہ تعالیٰ سے اقرار کیا تھا کہ آپ ہمارے رب ہیں' وہاں بھی منصب رسالت تھا لیکن اس روحانی دنیا میں صرف ایک رسول تھا اور وہ تھے جناب احمد مجتبیٰ ﷺ۔ اللہ کے نزدیک اور ملائکہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا نام احمد تھا۔ احمدؐ اور محمد ﷺ ایک ہی شخصیت کی دو جدا جدا حقیقتیں ہیں۔ یہ تمام صوفیاء کرام کا متفقہ عقیدہ ہے

اور احمد رسول اللہ ﷺ کا دوسرا نام ہے آسمان والوں میں وہ اس نام سے معروف ہیں۔ اور اس اسم مبارک کو ذات احد جل شانہ کے ساتھ بہت تقرب ہے اور دوسرے اسم (محمد) سے ایک منزل اللہ کے نزدیک زیادہ قریب ہے"

(حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوبات ربانی اردو ترجمہ دفتر سوم حصہ دوم مکتوب)

"اس کا نام آسمان میں ملائکہ کے نزدیک احمد ﷺ مشہور ہے اور اہل زمین کے نزدیک محمدؐ ہے"

(سیرت محمدیہ' اردو ترجمہ مواہب الدنیہ 1346ھ مطبوعہ افضل المطابع حیدر آباد)

اس دنیا میں حضور رسالت مآب ؐ کا نام احمد کہیں ثابت نہیں ہوتا اس کے باوجود قرآن بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے احمد ﷺ کے آنے کی پیشین گوئی کی تھی۔ آپ ﷺ ہی آخری رسول ﷺ تھے یہ بات تو پچھلی کتابوں میں بتائی گئی دیگر متعدد نشانیوں سے ثابت ہوتی ہے۔ لیکن یہاں دراصل اس طرف توجہ مبذول کرانا مقصود تھا کہ تمام امتوں کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ آخری رسول وہی ہو گا جو آسمانی دنیا کا پہلا رسول احمد ﷺ تھا اور اس حیثیت سے تمام دنیا کے انسانوں کی روحوں کا رسول رہ چکا تھا۔ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بتایا تھا کہ وہ رسول جو تمہارا اور میرا سب کا رسول آسمان میں احمدؐ کے نام سے تھا وہ دنیا میں میرے بعد جسمانی طور پر آخری رسول بن کر آنے والا ہے۔

☆☆☆☆----☆☆☆☆----☆☆☆☆

FALAH-E-ADMIAT

وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا ؕ

اللّٰہ

محبت

صداقت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

بانی سلسلہ کی تصانیف

"تعمیر ملت"

قرون اولی میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال و انحطاط کی وجوہات۔

ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ' سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار

عالم روحانی کی تشریح' جنت' دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد انسانی روح کی حقیقت کیا ہے۔ روح کس طرح دنیا میں آتی ہے اور واپسی کا سفر کیسے طے کرتی ہے۔

اسلامی عبادات' معاملات اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات

امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کے لئے واضح لائحہ عمل

صفحات:۔ 272 قیمت:۔ 100